ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
25 تا 31 اکتوبر 2001ء

☆ سلطنت خداداد پاکستان کا اصل اور حقیقی مسئلہ؟ (منبر و محراب)
☆ حقائق سے دانستہ چشم پوشی: صدر مشرف کی حکیمانہ پالیسی (اداریہ)
☆ مذہبی عناصر: انتخابی سیاست میں ناکام لیکن..... (خصوصی مضمون)

اتحادِ اُمّت کی عملی صورت!

"آیات واحادیث کے حوالے سے اتحاد کی برکات پر وعظ کہنے والوں کی ہمارے ہاں کمی نہیں ہے لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ اتحاد کیسے ہو! بلی کے گلے میں گھنٹی کیسے باندھی جائے اور اسے باندھے کون؟ یہ ہفت خواں کیسے طے ہو؟ اس کے لئے کچھ باتیں آپ کے گوش گزار کرنی ہیں۔ ان میں تین باتیں تو وعظ کی نوعیت کی ہیں جن پر قدم بقدم عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔ اولاً' محاذ آرائی سے گریز ہو۔ ثانیاً' ہم خیال جماعتیں جو تاریخی اور نظریاتی اعتبار سے کچھ قریب ہوں' ان کا کوئی باہمی تعاون شروع ہو جائے۔ ثالثاً' سب کی سب اگر متحد نہ ہو سکیں تو بھی تقسیم در تقسیم کے عمل کو کچھ تو پسپا کریں اور ان کے مابین ادغام نہ سہی کوئی وفاق کی شکل ہی پیدا ہو جائے۔

اتحاد باہمی کے لئے قرآن حکیم کا حکم یہ ہے کہ: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران: ۱۰۳) یعنی "سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامو اور باہم متفرق نہ ہو جاؤ"۔ میں ان الفاظ مبارکہ میں سے ایک لفظ حَبْل (رسّی) مستعار لے رہا ہوں۔ آپ اس رسّی کی تشبیہہ کو اپنے ذہن میں رکھئے۔ ایک موٹی رسّی کئی لڑیوں سے بٹی ہوئی ہوتی ہے اور ہر لڑی پھر بہت سے دھاگوں سے بنی ہوتی ہے۔ ایک رسّی میں بالعموم چار بڑی بڑی لڑیاں ہوتی ہیں اور ہر لڑی متعدد دھاگوں سے بٹ کر بنائی گئی ہوتی ہے۔ اب اگر اس رسّی کے بل کھول دیئے جائیں تو منطقی طور پر یہ صورت سامنے آئے گی کہ پہلے چار لڑیاں علیحدہ ہوں گی' پھر ہر لڑی کے دھاگے علیحدہ ہونا شروع ہو جائیں گے' چنانچہ وہ ایک رسّی کی بجائے 4x4=16 دھاگے ہوں گے۔ تو عقلی اور منطقی اعتبار سے ان دھاگوں کو دوبارہ رسّی بنانے کا عمل کہاں سے شروع ہوگا؟ یہ اُوپر سے نہیں' بلکہ نیچے سے شروع ہوگا۔ پہلے دھاگوں کو دوبارہ بٹ کر لڑیاں بنایئے اور پھر ان لڑیوں کو بٹ کر رسّی بنایئے۔ اس کی عملی شکل یہی ہے' اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں"۔

(امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں ۲۵ راگست ۱۹۹۵ء کے خطابِ جمعہ سے ایک اقتباس)

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡئًا وَّلَا یُقۡبَلُ مِنۡهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤۡخَذُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا هُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ٥ وَاِذۡ نَجَّیۡنٰكُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ یَسُوۡمُوۡنَكُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ یُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآءَكُمۡ وَیَسۡتَحۡیُوۡنَ نِسَآءَكُمۡ ؕ وَفِیۡ ذٰلِكُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَظِیۡمٌ ٥ وَاِذۡ فَرَقۡنَا بِكُمُ الۡبَحۡرَ فَاَنۡجَیۡنٰكُمۡ وَاَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ٥ وَاِذۡ وٰعَدۡنَا مُوۡسٰۤی اَرۡبَعِیۡنَ لَیۡلَةً ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ٥ ثُمَّ عَفَوۡنَا عَنۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ٥﴾ (آیات ٤٨ تا ٥٢)

''اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے کام نہیں آ سکے گا اور نہ ہی کسی کی کوئی سفارش مانی جائے گی اور نہ کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور انہیں کسی طرف سے کوئی مدد بھی نہ مل سکے گی۔ اور (یاد کرو جبکہ) ہم نے تمہیں فرعون کی قوم سے نجات دی تھی، وہ تمہیں بدترین عذاب میں مبتلا کئے ہوئے تھے (یہاں تک کہ) تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے یقیناً بہت بڑی آزمائش تھی۔ اور (یاد کرو جب) ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑ کر تمہیں نجات دے دی جبکہ ہم نے فرعون کو اس کے لشکر سمیت اس میں غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔ اور (یاد کرو) ہم نے موسیٰ کو چالیس راتوں کے لئے بلایا تھا تو اس کے بعد تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم بہت ہی ناانصافی اور زیادتی کرنے والے تھے۔ اور پھر ہم نے اس کے بعد بھی تمہیں معاف کر دیا تا کہ تم شکر کرو۔''

پہلی آیت میں وارننگ کے انداز میں قیامت کے دن کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اس روز کوئی شخص کسی دوسرے کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا چاہے رشتے یا تعلق میں وہ اس سے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد سفارش اور شفاعت کی کلی طور پر نفی کی گئی ہے۔ اگرچہ قرآن مجید میں کسی دوسرے مقام پر اس حوالے سے استثناء بھی آیا ہے لیکن یہاں اس کی نفی کلی ہے۔ چنانچہ یہ واضح کر دیا گیا کہ میدان حشر میں نہ تو کوئی کسی کا مددگار ہوگا نہ شفیع اور نہ ہی کسی کو کہیں سے کوئی مدد یا نصرت حاصل ہو سکے گی۔

اس کے بعد ان انعامات کا ذکر ہے جو آلِ یعقوب یعنی بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے کئے جاتے رہے۔ مصر میں اپنے دورِ غلامی کے دوران بنی اسرائیل پر ایک وقت وہ بھی آیا جب فرعون کے حکم سے ان کے بیٹوں کو پیدا ہوتے ہی ذبح کر دیا جاتا تھا جبکہ لڑکیوں کو زندہ رکھا جاتا تھا۔ اس کا پس منظر یہ تھا کہ فرعون کو یہ بتا دیا گیا تھا کہ اسرائیلی قوم کے اندر ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جو بڑا ہو کر تمہاری حکومت کا تختہ الٹ دے گا۔ چنانچہ اسی خوف کے تحت نومولود لڑکوں کو قتل کر دینے کا حکم دیا گیا جبکہ لڑکیوں کو اس لئے مستثنیٰ رکھا گیا کہ انہیں کنیزیں بنا کر اپنے گھروں میں ڈالا جا سکے۔ یہاں اسی ابتلا اور آزمائش کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے احسان عظیم کا ذکر ہے کہ اللہ نے تمہیں اس ذلت اور سختی سے نجات دلائی۔ پھر اس واقعے کا بیان ہے جس کے مطابق حضرت موسیٰ کے عصا کی ایک ضرب سے سمندر تقسیم ہو گیا اور اس کے دونوں حصے بڑی چٹانوں کی مانند دونوں طرف کھڑے ہو گئے۔ یوں درمیان میں خشکی نکل آئی جس پر سے حضرت موسیٰ اپنی قوم کو بحفاظت گزار کر لے گئے۔ جب فرعون اپنی فوج کے ساتھ اس خشک ٹکڑے پر آیا تو دونوں طرف سے پانی آ کر مل گیا جس میں وہ اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس معجزے کے ذریعے بنی اسرائیل کو ان کے دشمنوں سے نجات دی۔ اگلی آیت میں بنی اسرائیل کی اس گمراہی کا تذکرہ ہے جس میں وہ اس وقت مبتلا ہوئے جب تورات عطا کرنے سے قبل حضرت موسیٰ کو کوہِ طور پر چالیس دن کا چلہ کروایا گیا تھا۔ اس دوران بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے اپنی عبادت کے لئے ایک بچھڑا تخلیق کر کے اس کو پوجنا شروع کر دیا۔ یہ ان کی ایک نہایت ہی غلط روش اور بہت بڑا گناہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اسے بھی بخش دیا تا کہ وہ شکر گزار بندے بن سکیں۔

☆ ☆ ☆

اللہ کی راہ میں کھڑے ہونے کی فضیلت

چوہدری رحمت اللہ بٹر

عَنۡ عَبَّاسِ الرقضی رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَوۡقِفُ سَاعَةٍ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ خَیۡرٌ مِّنۡ قِیَامِ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ عِنۡدَ الۡحَجَرِ الۡاَسۡوَدِ)) [رواہ ابن حبان و صححہ البانی ۱۵۸۳]

حضرت عباس الرقضیؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''اللہ کی راہ میں ایک گھڑی کا کھڑے ہونا بہتر ہے حجر اسود کے پاس لیلۃ القدر کے قیام سے''۔

لیلۃ القدر کی فضیلت کے بارے میں کسے شک ہو سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اسے ہزار مہینے سے افضل قرار دیا ہے اور پھر اس رات کی برکات جبکہ وہ بیت اللہ میں حجر اسود کے پاس گزاری جا رہی ہو تو کتنی زیادہ ہوں گی لیکن اللہ کی راہ میں جہاد کی برکات کا اندازہ اس سے لگا لیجئے کہ جہاد فی سبیل اللہ میں ایک گھڑی کا گزارنا زیادہ بابرکت ہے لیلۃ القدر کو بیت اللہ میں گزارنے سے۔ اسلام میں جو لوگ فرض اور فضیلت میں تمیز نہیں کرتے وہ ان معاملات کو سمجھ نہیں پاتے۔ فرض اگر ادا نہ ہو تو بڑی سے بڑی فضیلت بھی بے کار ہو جاتی ہے مثلاً اگر انسان فرض نماز تو ادا نہ کرتا ہو لیکن صرف لیلۃ القدر کو جاگ لے تو اسے کیا حاصل ہوگا۔ اسی طرح جب اللہ کی راہ میں جہاد فرض ہو تو اس سے بچ کر اگر ساری رات قیام میں گزارے اور روزانہ روزے پر روزے رکھے تو کیا حاصل۔ اسی بات کو رسول اللہ ﷺ نے یوں بھی واضح فرمایا کہ جہاد کا بدل تو ہے ہی نہیں اور اگر کوئی شخص یہ کرے کہ تمام وقت روزہ رکھ کر اللہ کے حضور اس وقت تک کھڑا رہے جب تک جہاد ختم نہ ہو تو شاید جہاد کا بدل بن جائے اگرچہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ گھر میں کی گئی عبادت جہاد کا بدل ہو سکے۔

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حافظ عاکف سعید

حقائق سے دانستہ چشم پوشی: صدر مشرف کی ''حکیمانہ'' پالیسی

گزشتہ دنوں قوم سے خطاب کرتے ہوئے صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے جہاں سیرت کے دو اہم واقعات یعنی میثاق مدینہ اور صلح حدیبیہ سے اپنے موقف کے حق میں غلط طور پر استدلال کرتے ہوئے قوم کو ''درس حکمت'' دیا' وہاں پورے وثوق اور تیقن کے ساتھ قوم کو کچھ یقین دہانیوں کی لوری بھی سنائی۔ ایک یقین دہانی تو یہ تھی کہ افغانستان پر امریکہ کی جنگی یلغار ایک مختصر مدت کے لئے ہوگی اور بہت جلد امریکہ اپنے مقاصد حاصل کر کے اپنا بوریا بستر سمیٹ رخصت ہو جائے گا۔ دوسری یقین دہانی جس پر خصوصی زور دیا گیا' یہ تھی کہ امریکہ کے یہ فضائی حملے جو میزائلوں اور بمبار طیاروں کے ذریعے ہوں گے' یقینی طور پر Targetted ہوں گے' یعنی صرف معین اہداف تک محدود رہیں گے۔ ان کا نشانہ اور ہدف صرف اسامہ' اس کی مبینہ طور پر دہشت گرد تنظیم القاعدہ اور انہیں پناہ دینے والی طالبان قیادت ہوگی' افغان عوام کو ہرگز نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔ افغان عوام کے لئے تو ہماری حکومت بھی اپنے امریکی آقاؤں کی مانند کم از کم زبانی کلامی طور پر دیدہ و دل کو فرش راہ بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہی...... سرکاری ذرائع ابلاغ ہماری حکومتی پالیسی اور موقف کو جس رنگ میں پیش کر رہے ہیں اس کے پیش نظر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہماری حکومت افغان عوام کے غم میں دبلی ہوئی جا رہی ہے کہ اس کی بہبود کی خاطر افغانستان میں ایک وسیع البنیاد حکومت کے قیام کی راہ ہموار کرنا ہماری حکومت کے نزدیک اہم ترین اور مقدم ترین فریضہ ہے۔

صدر پاکستان کی مذکورہ بالا دونوں یقین دہانیوں کے ساتھ امریکی صدر اور امریکی افواج نے جو سلوک کیا ہے وہ دیدۂ عبرت نگاہ کے لئے ایک تازیانے سے کم نہیں۔ امریکی صدر بش نے صدر مشرف کے عہد وفاداری کو خاطر میں لائے بغیر جس بے رحمی کے ساتھ ان کی اول الذکر یقین دہانی کی تردید کی' اس پر صدر مشرف کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں تھیں۔ لیکن ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔'' صدر پاکستان کی دوسری یقین دہانی کی دھجیاں امریکی افواج نے بکھیر کر رکھ دی ہیں۔ گذشتہ ۱۷ دن کی مسلسل بمباری کے نتیجے میں قریباً تمام تر نقصان افغان عوام کو پہنچا ہے۔ سینکڑوں بے گناہ نہتے افغانی لقمہ اجل بن چکے ہیں' بلکہ کوئی بعید نہیں کہ یہ تعداد اب بڑھ کر ہزاروں تک پہنچ چکی ہو۔ لاکھوں افغان بے گھر ہو چکے ہیں۔ پہلے سے تباہ حال افغانی قوم کو انتہائی وحشیانہ انداز میں ہولناک بمباری کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ امریکی افواج کی دیدہ دلیری اور ڈھٹائی اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ ہسپتالوں اور شفاخانوں تک کو بے دریغ نشانہ بنایا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں مریضوں کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر حضرات بھی بڑی تعداد میں لقمہ اجل بن رہے ہیں...... لیکن ہمارے عالی مقام صدر نہایت استقلال کے ساتھ اپنے اس بیان پر قائم ہیں کہ افغان عوام کو نہیں' صرف معین اہداف کو نشانہ بنایا جائے گا۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے!

حال ہی میں جناب مشرف صاحب نے ایک یقین دہانی اور کرائی ہے...... ان کا فرمانا ہے کہ امریکہ ہمارے اس خطے میں مستقل قیام نہیں کرے گا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی شخص کو کسی بڑے اژدھے نے پوری طرح اپنے چنگل میں جکڑ لیا ہو لیکن وہ شخص آنکھیں موند کر اپنے ذہن میں اس خیال کو پکا تا رہے کہ یہ اژدہا مجھے کھا نہیں سکے گا...... جب آپ نے خود کو ایک بار اژدھے کے حوالے کر دیا تو اب یہ اختیار آپ کو کس نے دیا ہے کہ آپ اس پر اپنی مرضی مسلط کر سکیں۔ آپ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہیں کہ خوش گمانی اور خوش فہمی کا ایک جال اپنے گرد بن کر آنکھیں بند کر لیں۔ باقی مرضی تو اسی موذی درندے کی چلے گی کہ جس کے سامنے برضا و رغبت آپ ہتھیار ڈال چکے ہیں...... بدو کے خیمے میں اونٹ کا داخلہ تو بدو کی اجازت سے ہی ہوا تھا' لیکن اب خیمہ سے نکلنا سراسر اونٹ کی اپنی مرضی پر موقوف ہے۔ بدو زیادہ سے زیادہ ''عرض تمنا'' ہی کر سکتا ہے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ صدر پرویز مشرف کی غلط حکمت عملی نے ملک و قوم ہی کو نہیں' ان کے اپنے امیج کو بھی بے پناہ نقصان پہنچایا ہے کہ اپنوں اور غیروں سب کی نگاہ میں وہ جس درجے گر چکے ہیں' شاید اس کا انہیں اندازہ نہیں۔ ہم بصد ادب ان کی خدمت میں عرض کریں گے کہ وہ حقائق کو دیکھنے اور ان کا مواجہہ کرنے کی سکت اپنے اندر پیدا کریں۔ ایک خالص اسلامی حکومت کے خلاف یہود و نصاریٰ کے گٹھ جوڑ کا حصہ بن کر انہوں نے جس جرم عظیم کا ارتکاب کیا ہے' اس پر سچے دل سے توبہ کریں۔ اللہ تعالیٰ سے بھی معافی مانگیں اور طالبان حکومت اور اس کے ساتھ ہمدردی اور یکجہتی کا اظہار کرنے والے مسلمانان پاکستان سے بھی معافی کے طلبگار بنیں۔ اس بات پر گہرا یقین رکھیں کہ اگر ہم خلوص کے ساتھ اللہ کے دامن کو تھامیں گے تو دنیا کی کوئی طاقت ہم پر غالب نہیں آ سکے گی...... سوچیں! کیا غصے اور انتقام کے جذبات سے مغلوب دنیا کی سب سے بڑی شیطانی قوت کے مقابلے میں نہتے طالبان کی مدد اور حفاظت اللہ معجزانہ طور پر نہیں کر رہا ہے؟ ○○

تحریک خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

جلد 10 شمارہ 40

25 تا 31 اکتوبر 2001ء

(۸ تا ۱۴ شعبان ۱۴۲۲ھ)

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: فرقان دانش خراسانی

معاونین: مرزا ایوب بیگ' سردار اعوان
محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: اسعد احمد مختار' طابع: رشید احمد چوہدری

مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: 03-5869501 فیکس: 5834000

E-Mail:anjuman@tanzeem.org

Website:www.tanzeem.org

قیمت فی شمارہ: 5 روپے

سالانہ زرتعاون:

اندرون ملک...... 250 روپے

بیرون پاکستان:

☆ یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ

...... 1500 روپے

☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ

...... 2200 روپے

دنیا میں کوئی انقلاب پولرائزیشن اور خون دیئے بغیر برپا نہیں کیا جاسکتا

عوامی تحریکوں کے آغاز میں عوام کی اکثریت خاموش رہتی ہے جو رفتہ رفتہ متحرک ہوتی ہے

پاکستان میں افغانوں کی ہمدردی اور حکومت کی افغان پالیسی کے خلاف ردعمل میں شدید اضافہ ہورہا ہے

امریکہ اگر اپنا تحفظ چاہتا ہے تو اسے کسی ملک کے خلاف جنگی کارروائی کی بجائے اپنی پالیسیوں پر نظرثانی کرنی چاہئے

پاکستان کا اصل مسئلہ یہاں اسلامی نظام کا قیام ہے جو موجودہ عالمی حالات کی وجہ سے پس منظر میں چلا گیا ہے

دینی جماعتوں کو متحد ہوکر ملک میں نفاذ اسلام کے لئے منکرات کے خاتمے کی تحریک چلانا چاہئے

مسجد دارالسلام باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ۱۹ را کتوبر ۲۰۰۱ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

اس وقت افغانستان کی موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ امریکی اور برطانوی طیارے آسمان سے آگ اور لوہا برسا رہے ہیں۔ ہلاکتیں ہورہی ہیں' بے قصور شہری مارے جا رہے ہیں۔ دوسری طرف الحمدللہ کہ افغان عوام کا مورال بھی اپنی جگہ قائم ہے اور طالبان کے اندر بھی شکست وریخت کے کوئی آثار ابھی تک سامنے نہیں آئے۔ وہ کمالِ استقامت کے ساتھ ڈٹے ہوئے ہیں۔ اگرچہ افغانستان میں نقصانات کافی ہورہے ہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ مقابلہ بہت ہی غیر مساوی ہے۔ طالبان کے پاس اس طرح کے جدید ہتھیار ہیں ہی نہیں کہ طیاروں کے ذریعے کی جانے والی بمباری اور میزائلوں کا مقابلہ کرسکیں۔ وہ اصل میں اس انتظار میں ہیں کہ زمینی فوجیں آئیں گی تو ان سے نمٹیں گے۔ پھر ان کا وہی حشر ہوگا جو ویت نام میں ہوا تھا یا صومالیہ میں ہوا تھا یا جیسے یہ دم دبا کر بھاگے تھے لبنان سے' یہی معاملہ ان کے ساتھ ان شاء اللہ افغانستان میں بھی ہوگا۔

تیسری طرف پاکستان میں افغانوں کے ساتھ ہمدردی اور پاکستانی حکومت کی پالیسی کے خلاف ردعمل میں بھی شدید اضافہ ہورہا ہے۔ چنانچہ صدر پرویز مشرف کی آنکھوں پر جو دس پندرہ فی صد کی پٹی بندھی ہوئی ہے وہ اب اتر جانی چاہئے۔ کیونکہ کوئی بھی عوامی تحریک جب شروع ہوتی ہے تو عوام کی اکثریت خاموش رہتی ہے لیکن جوں جوں بات آگے بڑھتی ہے رفتہ رفتہ وہ اکثریت جاگ جاتی ہے۔ لہٰذا ان مظاہروں کے اندر تعداد اور شدت دونوں اعتبارات سے اضافہ ہورہا ہے۔ چوتھی طرف نہ صرف عالم اسلام میں بلکہ غیر مسلم دنیا میں بھی امریکہ کے اس ظلم کے خلاف زبردست مظاہرے ہورہے ہیں کہ یہ طریق کار درست نہیں ہے۔ احتجاج کرنے والوں کا مؤقف یہ ہے کہ بے گناہ لوگوں پر وحشیانہ بمباری کے نتیجے میں مسلمان عوام مشتعل ہو جائیں گے اور غصے اور اشتعال میں آ کر پھر انتقامی کارروائیاں کریں گے۔ بہرحال امریکہ کو سوچنا چاہئے کہ ان لوگوں کو کیا ناراضگی ہے۔ آخر یہ عرب' یہ فلسطینی اور یہ مصری مسلمان ناروے یا سویڈن میں تو دہشت گردی نہیں کررہے۔ انہوں نے صرف امریکہ کو ہی کیوں ٹارگٹ بنایا ہوا ہے۔ ظاہر ہے اس کا جواب یہی ہے کہ ان عربوں کے بارے میں امریکہ کی پالیسی غلط ہے۔ عالم عرب کے اندر اسرائیل کا خنجر گھونپنے میں امریکہ نے اہم کردار ادا کیا۔ اسرائیل کا نقشہ بھی خنجر کی شکل کا ہے۔ پوری دنیا میں مسلمانوں کے معاملے میں امریکہ کی دوہری پالیسی نے امریکہ کے خلاف موجودہ نفرت کو جنم دیا ہے۔ امریکہ اگر اپنا تحفظ چاہتا ہے تو اسے کسی ملک کے خلاف جنگی کارروائی کرنے کی بجائے اپنی پالیسیوں پر نظرثانی کرنا چاہئے' اس کے خلاف دنیا میں موجود نفرت جسے وہ دہشت گردی سمجھتا ہے خود بخود ختم ہوجائے گی۔

موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں آیئے ہم دیکھیں کہ سلطنت خداداد پاکستان کا اصل مسئلہ کیا ہے۔ دراصل ہمارا اصل مسئلہ اسلامی نظام کا قیام ہے۔ جبکہ ہمارے باقی تمام مسائل ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں کے مصداق ملک میں نفاذ اسلام نہ ہونے کی وجہ سے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کے قیام کا واحد جواز اسلام ہے۔ اسلام کے نعرے کے بغیر پاکستان قائم نہیں ہوسکتا تھا۔ جبکہ اب پاکستان کی بقا اور استحکام کی واحد اساس بھی اسلام ہی ہے۔ یہ ملک اگر مجتمع اور مضبوط ہوسکتا ہے تو صرف اسلامی نظام کے قیام کے باعث ہوسکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ میرا گہرا احساس ہے کہ احیائے ملت اسلامی اور اسلام کے عالمی غلبہ کے ضمن میں بھی اللہ نے پاکستان کو اہم رول سونپا ہوا ہے۔

موجودہ صورتِ حال میں' میں نے آپ کو بارہا وہ حقائق گنوائے ہیں جن سے پاکستان کے اس اہم رول کی نشاندہی ہوتی ہے یعنی ایک یہ کہ پاکستان کا قیام سراسر معجزانہ ہے ورنہ یہ بات کسی حساب کتاب میں نہیں آتی تھی کہ پاکستان قائم ہو جائے گا۔ پھر یہ ملک وہ ہے جو لیلۃ القدر کو معرض وجود میں آیا۔ پھر یہ کہ گیارہویں صدی ہجری کے بعد سے تمام مجددین اسی خطہ میں پیدا ہوئے۔ مزید برآں سیکولرازم کا توڑ' قرار داد مقاصد کی صورت میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے پاس کیا۔ اگرچہ ہم نے ابھی تک اس پر عمل نہیں کیا لیکن قرارداد کا پاس ہوجانا کوئی چھوٹی بات نہیں ہے اور اب تو یہ قرارداد آئین پاکستان کا حصہ بھی بن گئی ہے۔ پھر اس وقت کا عالمی معاشی نظام درحقیقت سرمایہ دارانہ نظام ہے جو سود کی بنیاد پر کھڑا ہے۔ اس کا توڑ سود کی حرمت کے عدالتی فیصلے کی صورت میں یہاں ہوچکا ہے۔ اس طرح گویا ہم موجودہ عالمی نظام سے اعلان بغاوت کرچکے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ عملاً اس طرف پیش رفت نہیں ہوئی۔ اس کے بعد سب سے بڑی بات ہماری خداداد ایٹمی صلاحیت ہے۔ بہرحال ان معاملات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کل روئے ارضی پر قیامت سے پہلے نظام خلافت کے قیام کی جو پیشین گوئیاں ہیں ان میں پاکستان کا کوئی اہم رول مقدر ہے۔ لہٰذا ہمارا اصل کام یہ ہے کہ اس ملک میں اسلامی نظام قائم ہو۔ موجودہ عالمی صورت حال اور افغانستان پر امریکی حملوں کے باعث پیدا ہونے والی ملکی فضا کے باعث پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کی بات کسی درجے پس منظر میں چلی گئی۔ چنانچہ میں نے

ضروری خیال کیا کہ دوبارہ اس بات کو ذہنوں میں تازہ کیا جائے کہ یہ مسئلہ ہمارے لیے بہت اہم ہے۔

پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ منہج انقلاب نبوی ﷺ کے ذریعے جدوجہد کی جائے۔ تنظیم اسلامی اسی کے مطابق کام کر رہی ہے۔ منہاج محمدی ﷺ کیا ہے؟ اس کو چند جملوں میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔ پہلا کام یہ ہے کہ لوگوں میں قرآن کے ذریعے سے حقیقی ایمان پیدا کیا جائے۔ یعنی دعوت ایمان بذریعہ قرآن پھر ان لوگوں کو منظم کرنا یعنی تنظیم بذریعہ بیعت۔ پھر جب مناسب طاقت میسر آ جائے گی تو وہ مرحلہ آئے گا کہ اب اینٹ کا جواب پتھر سے دو۔ آگے بڑھو، چیلنج کرو، اس میں اگر جانیں بھی دینی پڑیں تو دریغ نہ کرو۔ بقول شاعر ؎

وبال دوش ہے سر جسم ناتواں کے لئے
لگا رکھا ہے تیرے خنجر و سناں کے لئے

یہ ہے اصل میں منہج انقلاب نبوی ﷺ۔ انسان جب بھی غلبۂ دین حق کے فرض کی ادائیگی کے لئے سوچے گا، اسی منہج اور طریق کار کے مطابق کام کرنا لازم ہوگا۔ لیکن ہمارے ملک میں ایک نرم انقلاب کا بھی راستہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر یہاں کی تمام دینی جماعتیں انتخابی سیاست سے دستبردار ہو کر مطالباتی، مظاہراتی و مزاحمتی سیاست کی راہ کو اختیار کریں اور حکومت کو چیلنج کریں کہ ہم اب اس ملک میں کوئی حرام کام نہیں ہونے دیں گے۔ ملکی معیشت کو حرام سے پاک کرو اور صرف حلال ذرائع پر اکتفا کرو۔ کاروباری اشتراک کرنا ہے تو مضاربت پر کرو۔ کوئی سودی لین دین نہیں ہوگا۔ اسی طرح کے تمام دیگر سماجی و معاشرتی معاملات میں بھی معاشرے کی تطہیر کی جائے اور اس کے لئے مطالبہ کیا جائے، منظم انداز میں میدان میں نکلا جائے، لاکھوں کا جلوس نکلے جو کہے کہ ہمیں حکومت نہیں چاہئے، ہمیں کسی کو گرانا نہیں، کسی کو پچھاڑنا ہمارا مقصود نہیں، ہمارا مدعا اسلام آباد نہیں اسلام ہے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ملک میں اسلام نافذ ہو۔ دینی جماعتیں اگر اس کام کے لئے متحد ہو جائیں تو مجھے یقین ہے کہ سالوں کا کام مہینوں نہیں ہفتوں کے اندر ہو جائے گا۔ میں نے سابق وزیراعظم نواز شریف کو مشورہ دیا تھا کہ دستور اگرچہ میں قرارداد مقاصد بھی شامل ہے اور دفعہ ۲۲۷ (الف) بھی موجود ہے کہ یہاں کوئی قانون سازی کتاب و سنت کے منافی نہیں ہو سکتی، شریعت کورٹ بھی ہے لیکن دستور میں کچھ چور دروازے ایسے ہیں کہ یہ ساری چیزیں غیر موثر ہو کر رہ گئی ہیں۔ اگر یہ چور دروازے بند کر دیئے جائیں تو اسی دستور کے تحت اسلامائزیشن کا عمل شروع ہو جائے گا اور بڑے اطمینان اور پرامن طریقے سے یہاں پر شریعت کا نفاذ ہو سکے گا۔

موجودہ صورت حال میں میرا خیال ہے کہ ملک کے دینی طبقات اور سیکولر طبقات میں واضح پولرائزیشن ہو رہی ہے چنانچہ اگر یہ دینی عناصر متحد ہو کر تحریک چلائیں تو ملک میں نفاذ اسلام کی منزل بہت قریب آ سکتی ہے۔ میں نے حال ہی میں اپنی ایک تحریر میں اس تقسیم کو اسلامی انقلاب کی تمہید قرار دیا تھا۔ میری یہ تحریر نوائے وقت سمیت لاہور کے چار روزناموں میں شائع ہوئی۔ پشاور کے ایک انگریزی اخبار نے اس تحریر کا ترجمہ بھی شائع کیا۔ بعد ازاں کئی دینی جرائد نے اس کو شائع کیا اور بہت سے طبقات نے اس کی اہمیت کو محسوس کیا ہے۔ لیکن میری اس تحریر سے نوائے وقت کے کہنہ مشق کالم نگار عبداللہ ملک صاحب نے اپنے ۵ اکتوبر کے کالم میں اختلاف کیا ہے۔ اگرچہ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ کمیونسٹ نظریات کے حامل ہیں۔ ۱۳/اکتوبر کو حکومت کی اہم شخصیت بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) حامد سعید اختر نے بھی اس حوالے سے ایک مضمون لکھا ہے جو روزنامہ پاکستان اور روزنامہ انصاف میں شائع ہوا ہے۔ میں ان شاء اللہ ان کا مفصل جواب تحریر کروں گا۔ تاہم یہاں میں جناب عبداللہ ملک صاحب کے کالم کا ایک پیرا سنانا چاہتا ہوں، لکھتے ہیں: ''ڈاکٹر اسرار نے یہ مضمون اپنے سرکاری جریدے ندائے خلافت میں اداریئے کے طور پر شائع کروایا ہے، اور اس کی زبردست اہمیت واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر اسرار کے لئے سپاہ صحابہ اور جیش محمد کے درمیان رونما ہونے والا خون خرابہ، قتل و غارت کافی نہیں رہی کہ اب وہ پاکستان میں دینی اور سیکولر کے درمیان قتل و خونریزی کا بازار گرم کر کے انقلاب کے لئے راہ ہموار کرنے کے ارادے باندھ رہے ہیں۔''

پہلی بات تو یہ کہ ندائے خلافت ہمارا اپنا تحریکی جریدہ ہے۔ اس میں میرے مضمون تو شائع ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ہاں اس مضمون کا اہم قومی اخبارات میں شائع ہونا اس کی اہمیت کا پتہ دیتا ہے۔ دوسرے ان کی معلومات کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے سپاہ محمد کو جیش محمد لکھ دیا ہے۔ مزید برآں انہیں میں یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ کیا آج تک دنیا میں کوئی انقلاب پولرائزیشن کے بغیر آیا ہے۔ کیا روس میں جو انقلاب آیا تھا اس موقع پر پوری قوم دو علیحدہ علیحدہ کیمپوں کے اندر تقسیم نہیں ہوئی تھی۔ اسی طرح کیا کوئی انقلاب دنیا میں بغیر خون دیئے آیا ہے۔ کیا انقلاب روس میں خون نہیں بہا تھا۔ البتہ انقلابات عالم میں کم سے کم خونریزی والا انقلاب وہ ہے جو حضرت محمد ﷺ کے ذریعے آیا، تاہم حزب اللہ اور حزب الشیطان کی صورت میں پولرائزیشن وہاں بھی ہوئی تھی اور صحابہؓ نے اس انقلاب کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کیا۔ اگرچہ اس عظیم انقلاب میں خونریزی انتہائی کم ہوئی۔ اس پوری جدوجہد میں کل ۲۶۹ مسلمان شہید اور ایک سو ستائیس زخمی ہوئے۔ دوسری طرف صرف ۷۶۹ کفار مارے گئے جبکہ ان کے زخمیوں کا ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ گویا پورے انقلاب میں ۱۰۱۸ آدمی مارے گئے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک ایک صحابیؓ کی جان ہم جیسے لاکھوں مسلمانوں کی جان سے زیادہ قیمتی ہے۔ لیکن انسانی تاریخ کے اعتبار سے یہ بہت ہی تھوڑی تعداد ہے کہ دونوں طرف سے کل ایک ہزار آدمی مارے گئے اور انقلاب مکمل ہو گیا۔

اسی طرح ہمارے کالم نگار حضرات کو یہ حقائق پیش نظر رکھنا چاہئیں کہ اسلام کی چودہ سو برس کی تاریخ میں فرقہ وارانہ فسادات کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہماری پوری تاریخ میں شیعہ سنی فساد بھی کبھی عوامی سطح پر نہیں ہوا، کبھی کبھار محرم میں تعزیہ نکالنے کے معاملہ پر راستے میں جھگڑا ہو گیا۔ چند آدمی مارے گئے، اس سے زیادہ آگے بات نہیں بڑھتی تھی، جبکہ آپ کو تو معلوم ہے کہ پاکستان کے اندر شیعہ سنی تو اس طرح رہتے ہیں کہ ایک ہی محلے میں شیعہ بھی ہیں اور سنی بھی ہیں۔ کبھی عوامی سطح پر ان کے درمیان کوئی دنگا فساد ہوا ہی نہیں ہے۔ اسلامی تاریخ میں جو فسادات ہوئے وہ سیاسی بنیاد پر ہوئے اور پاکستان میں گزشتہ چند سالوں کے دوران ہونے والے شیعہ سنی فسادات میں زیادہ تر اسلام دشمن ممالک کی خفیہ ایجنسیوں ''موساد'' اور ''را'' کا ہاتھ رہا ہے۔ دوسری طرف عیسائیت کی تاریخ میں جس قدر فرقہ وارانہ خون ریزی ہوئی ہے، انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ آج بھی آئرلینڈ میں مذہب کے نام پر خون ریزی ہو رہی ہے۔ وہاں اکا دکا قتل نہیں ہوتا، ان کی پوری پوری ملیشیا فوجیں ایک دوسرے کی قتل و غارت گری میں ملوث ہیں۔ لیکن میڈیا نے کبھی ان فسادات کو نمایاں کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ جبکہ مسلمانوں کے معمولی اختلافات کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے۔ شیعہ سنی جھگڑا جس میں غیروں کا ہاتھ زیادہ ہے اسے تو مذہبی دہشت گردی کا عنوان دیا گیا لیکن آئرلینڈ میں جو کچھ ہو رہا ہے، کیا وہ تمدن و ثقافت کا مظہر ہے؟ وہاں یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ بہرحال میں نے اپنے چھوٹے سے مضمون میں جو بات کہی تھی کہ اب ملک میں واضح طور پر پولرائزیشن ہو رہی ہے کہ ایک طرف دین سے تعلق کی بناء پر لوگ جمع ہو رہے ہیں، چاہے دین سے یہ وابستگی عملاً ہو یا جذباتی۔ لیکن وہ حضور ﷺ کی حرمت پر، دین کی شعائر کے حفاظت میں کٹ مریں گے۔ اس کا اندازہ تو دنیا کو تب ہوگا جب یہ یہودی مسجد اقصیٰ کو شہید کریں گے۔ پھر جو طوفان اٹھے گا بنیاد پرست عرب جس طرح بے تاب ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے وہ واقعتاً ایک قیامت صغریٰ کا منظر ہوگا۔

قیامت سے قبل کفر اور حق کے درمیان جو فیصلہ کن

میدان کارزار گرم ہوگا اس کا آغاز افغانستان پر عالم کفر کی یلغار سے ہو چکا ہے۔ البتہ اس نئی عالمی صورت حال کے باعث پاکستانی معاشرے میں جو تبدیلی رونما ہو رہی ہے وہ خوش آئند ہے۔ قوی امید ہے کہ اس تبدیلی کا نتیجہ دینی جماعتوں اور فرقوں کے اتحاد کی صورت میں نکلے گا۔ مسلمانوں کے بنیادی اختلافات کی نوعیت کیا ہے' اسے ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ مثال میں نے اسی مسجد میں ۲۵/اگست ۱۹۹۵ء کے خطاب جمعہ میں پیش کی تھی یعنی جیسے کوئی موٹا رسا بنانا ہو تو کئی رسیوں کو بٹ دے کر بنایا جاتا ہے۔ اور ہر رسی بھی' کئی لڑیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ تو جیسے بہت سی رسیوں کو بٹ دے کر ایک موٹا رسا بنا' امت مسلمہ کا رسا بھی بہت سی رسیوں یعنی مکاتب فکر پر مشتمل ہے کہ یہ دیوبندی مکتبہ فکر ہے' یہ بریلوی مکتبہ فکر ہے' یہ اہل حدیث مکتبہ فکر ہے وغیرہ۔ ان مکاتب فکر میں ایک مکتبہ فکر کا پچھلی صدی کے آغاز میں اضافہ ہوا جس نے حکومت الٰہیہ کے قیام کا نعرہ لگایا۔ اس مکتبہ فکر کو آگے بڑھانے میں مولانا آزاد اور مولانا مودودی مرحوم کا بڑا حصہ ہے جن کے بعد اسے ہم لے کر چل رہے ہیں۔ اس تیسرے مکتبہ فکر کا تعلق نہ بریلویت سے ہے' نہ دیوبندیت سے' نہ اہل حدیث سے ہے۔ اس میں تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل ہو گئے ہیں' جبکہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو سرے سے کسی بھی مذہبی حلقے سے نہیں تھا' وہ بھی اس طرف آیا ہے۔ یہ مکاتب فکر جو دراصل رسی کی مانند تھے' ہوا یہ کہ گزشتہ ڈیڑھ دو سو سالہ تاریخ میں ان رسیوں کی لڑیاں کھل گئیں اور دیوبندی' بریلوی اور اہلحدیث مکاتب فکر کے مختلف گروپ وجود میں آ گئے۔ اہل حدیث میں پروفیسر میر کا گروپ ہے' یہ لکھوی گروپ ہے' ایک گروپ لشکر طیبہ کے نام سے ہے۔ بریلویوں میں ایک نیازی گروپ تھا' ایک نورانی گروپ تھا' پھر جماعت اہل سنت علیحدہ تھی۔ حنیف طیب صاحب نے بھی ایک علیحدہ گروپ بنا رکھا تھا۔ اسی طرح دیوبندیوں میں یہ جمعیت علماء اسلام (فضل الرحمٰن گروپ) ہے' یہ سمیع الحق گروپ' پھر ایک اور بھی پیدا ہو گیا تھا لاہور میں اجمل قادری گروپ' پھر ایک بنی تھی جمعیت علماء اسلام حقیقی۔ اسی طرح جماعت اسلامی' تحریک اسلامی اور تنظیم اسلامی کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایک مکتبہ فکر ہے' اگرچہ بنیادی اعتبار سے' فکری اعتبار سے ان کی عملی پالیسی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لیکن اتحاد امت کی عملی صورت یہی ہے کہ یہ لڑیاں دوبارہ جمع ہو کر رسیاں بنیں' پھر وہ رسیاں آپس میں بٹ کر رسا بنیں اور ایک مضبوط اتحاد وجود میں آ جائے۔ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ اب دیوبندی تقریباً سب جمع ہو گئے ہیں۔ ان کے ساتھ اشتراک عمل میں یہ احیائی تحریکیں بھی شامل ہیں یعنی تنظیم اسلامی اور جماعت اسلامی وغیرہ۔ یہ سب دفاع افغانستان و پاکستان کونسل کے اندر جمع ہیں۔ بریلوی مکتبہ فکر اگرچہ ابھی ان کے ساتھ شامل نہیں ہوا۔ لیکن الحمدللہ' ثم الحمدللہ موقف ان کا بھی وہی ہے جو تمام دینی مکاتب فکر کا ہے۔ وہ بھی موجودہ حکومتی پالیسی کے خلاف اور طالبان کے حق میں ہیں۔ وہ سب بھی جمع ہو گئے ہیں اور انہوں نے اپنا "دفاع اسلام" محاذ بنا لیا ہے۔ ادھر اہل حدیث کے تمام دھڑے بھی "مجلس عمل اہل حدیث" کے عنوان سے جمع ہو گئے ہیں۔ تو گویا کہ ان لڑیوں کے جمع ہونے کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ اگلا مرحلہ بھی جلد آئے گا اور پھر یہ ایک مضبوط رسا بنے گا اور پولرائزیشن کا یہ عمل مکمل ہو جائے گا۔

میں نے اپنے اس مضمون میں جس پر عبداللہ ملک صاحب نے کالم لکھا ہے' سورۂ آل عمران کی آیت کا حوالہ دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ آزمائشیں اس لئے نازل کرتا ہے تاکہ تم میں سے پاک' ناپاکوں سے علیحدہ ہو جائیں۔ ناپاک لوگ منافق تھے جبکہ پاک لوگوں میں اہل ایمان شامل تھے۔ یہ اس میں گڈمڈ تھے' آزمائشیں نہ آئیں تو وہ علیحدہ کیسے ہوں گے۔ آزمائشیں آئیں تو معلوم ہوا کہ یہ تو منافق تھا' عین موقع پر پیٹھ دکھا کر چلا گیا۔ لیکن عبداللہ ملک نے اپنے کالم میں بڑے غصے کا اظہار کیا ہے کہ میں نے اپنے سے اختلاف کرنے والوں کو خبیث کہہ دیا ہے۔ حالانکہ میرا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا۔ مطلب یہ ہے کہ جس میں بھی دینی حرارت ہوگی وہ یقیناً ایک طرف آ جائے گا۔ پیچھے وہ ہی رہ جائیں گے جو دینی حرارت سے خالی ہیں۔ اس ضمن میں ہمارا کردار یہی رہے گا کہ ہم اپنا کوئی علیحدہ تشخص ظاہر کئے بغیر دفاع افغانستان و پاکستان کونسل کا ساتھ دیتے رہیں گے۔ لیکن دوسری طرف ہماری کوشش یہ ہے کہ جو اتحاد وجود میں آ رہا ہے یہ مثبت طور پر اسلام کو نافذ کرنے کے لئے ایک طاقت بنے۔ اس کی حیثیت وقتی اور عارضی نہ ہو کہ جونہی طالبان پر سے یہ مشکل وقت گزرے یہ اتحاد بھی ہوا میں تحلیل ہو جائے' بلکہ یہ استقامت کا ثبوت دے اور پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام اور نفاذ شریعت کی خاطر یہ جمعیت سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۴ کی رو سے تین کام کرے' جہاں فرمایا: "اور تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہونا چاہئیں جو نیکی کی طرف بلاتے رہیں' وہ اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔" یعنی یہ جمعیت جو دینی طبقات کے اتحاد سے وجود میں آئے' طے کرے کہ ہمیں تین کام کرنے ہیں' نیکی کا حکم دینا ہے' اسی میں طالبان کے مسلمانوں کی مدد بھی شامل ہے۔ اس کے ساتھ یہ جمعیت امر بالمعروف' اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی سرانجام دے۔ اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے دینی جماعتوں کو منکرات کے خاتمہ اور نفاذ اسلام کی تحریک چلانا ہوگی۔

جہاں تک عالمی صورت حال کا تعلق ہے وہ ہمارے سامنے ہے کہ امریکہ کو معلوم ہے کہ ۱۱ ستمبر کے واقعہ میں اسرائیل ملوث ہے لیکن امریکہ میں یہودی لابی اتنی مضبوط ہے کہ وہ اسرائیل کے خلاف اقدام کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ چنانچہ کھسیانی بلی کی مانند وہ اپنا سارا غصہ نہتے افغانیوں پر اتار رہا ہے۔ دوسری طرف افغان عوام بھی امریکہ کے مقابلہ میں ڈٹے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں ان کا بلند مورال قابل تعریف ہے اور جس کمال استقامت سے طالبان میدان میں ڈٹے ہوئے ہیں وہ ان کے حق پر ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اگرچہ طالبان کے پاس امریکہ کے آگ اور لوہا برساتے طیاروں کا توڑ کرنے کے لئے ہتھیار نہیں ہیں تاہم امید ہے کہ اللہ کی مدد و نصرت کے بل پر وہ زمینی جنگ میں امریکہ کو منہ توڑ جواب دیں گے اور کامیاب و کامران ہوں گے۔

قرائن بتاتے ہیں کہ امریکہ نے دراصل روس کی نو آزاد ریاستوں کے تیل کے ذخائر تک رسائی کی غرض سے اس علاقہ میں اپنے قدم جمانے کے لئے یہ سارا ڈرامہ رچایا ہے جیسا کہ اس نے خلیج کی جنگ کے بہانے عرب ممالک کے تیل تک رسائی حاصل کی ہے۔ جبکہ امریکی وزیر خارجہ کولن پاؤل کی پاکستان آمد کا مقصد غالباً صرف یہی تھا کہ پاکستان کو شمالی اتحاد کی مخالفت سے روکا جائے۔ دراصل امریکہ اپنے آدمی مروانے کو تیار نہیں اور وہ آئندہ شمالی اتحاد کی مدد کر کے طالبان کو نقصان پہنچانے کی حکمت عملی اختیار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

(مرتب: فرقان دانش خراسانی)

[illegible] فورٹ عباس [illegible]

۱۲ اکتوبر کو بعد نماز مغرب ڈگیاں والی مسجد فورٹ عباس میں ماہانہ شب بسری منعقد ہوئی۔ پروگرام کا آغاز حلقہ بہاول نگر کے ناظم جناب ذوالفقار علی کے "ایمان اور جہاد" کے عنوان پر خطاب سے ہوا۔ ۱۵ سے ۲۰ ساتھیوں نے اس میں شرکت کی۔ عشاء کی نماز کے بعد تنظیم اسلامی ضلع بہاول نگر کے امیر جناب محمد منیر احمد نے سورۃ التوبہ کے حوالے سے درس قرآن دیا اور جنگ تبوک کے موقع پر منافقین کے کردار کے بارے میں تفصیلاً گفتگو کی۔ اس کے بعد پروگرام میں شامل ہر ساتھی نے کسی فرمان رسولؐ یا قرآن کی کسی آیت مبارکہ کی مختصر تشریح پیش کی۔ رات دس بجے سے ساڑھے تین بجے تک آرام کا وقفہ ہوا۔ نماز تہجد کی ادائیگی کے بعد ہر ساتھی نے باری باری قرآن مجید کے نصف رکوع کی تلاوت کی تاکہ اگر کوئی غلطی ہو تو اس کی اصلاح ہو جائے۔ نماز فجر کے بعد جناب ذوالفقار علی نے درس قرآن دیا جس کے بعد یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ (رپورٹ: شکیل حسین)

جنگ کی طوالت!

امریکی فوجیوں کی بزدلی یا دیرینہ عزائم کی تکمیل کے لئے حکمت عملی؟

تجزیہ نگار کے نقطۂ نظر سے ادارہ کا کامل اتفاق ضروری نہیں

ابوالحسن

نواز دور کے سیاسی مشیر' دانشور اور مشہور کالم نویس نصرت مرزا نے کہا ہے کہ دنیا میں دو ہی آزاد ملک تھے' امریکہ اور افغانستان اور وہ آپس میں لڑ پڑے ہیں۔ اگرچہ ظاہری طور پر یہ بات درست معلوم ہوتی ہے لیکن گزشتہ نصف صدی کی تاریخ کا جائزہ اگر باریک بینی سے لیا جائے تو امریکہ کے سابق صدر رچرڈ نکسن کی یہ بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ دنیا پر اصل حکومت ان دیکھے ہاتھوں کی ہے۔ اس پُراسرار قوت نے ایک بہت بڑے جن (امریکہ) پر غلبہ حاصل کیا ہوا ہے اور اس غلام جن کے ذریعے باقی دنیا کو غلام بنایا گیا ہے یعنی باقی دنیا غلام در غلام ہے۔ اس غلامی کا طوق دنیا میں صرف افغانستان پہننے سے انکاری تھا لہٰذا بڑے جن کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ باقی تمام دنیا کے ساتھ مل کر اس آزاد ملک پر حملہ آور ہوتا کہ اسے بھی

> امریکی کمانڈوز طالبان سے باقاعدہ زمینی جنگ لڑنے کی اہلیت نہیں رکھتے

سوں کی صف میں کھڑا کیا جا سکے۔ یہ نادیدہ قوت اب جانی پہچانی ہے۔

آج اس جنگ کو شروع ہوئے سترہ دن گزر چکے ہیں۔ وہ تمام اندازے غلط ثابت ہو چکے ہیں کہ دو تین روز میں طالبان کی قوت کو ملیا میٹ کر دیا جائے گا اور امریکہ کی منظور شدہ ایک وسیع البنیاد حکومت وہاں قائم کر دی جائے گی۔ اس وقت جو صورت حال سامنے آئی ہے اس سے محسوس ہوتا ہے کہ طالبان میں ابھی مزاحمت کی قوت موجود ہے اور اسے ختم کرنے میں خاصی مدت لگے گی۔ امریکہ اپنے کمانڈوز بھی افغانستان میں داخل کر چکا ہے لیکن خاطر خواہ اور قابل ذکر کامیابی حاصل کرنے میں ناکام ہے۔ پھر یہ کہ طالبان کی شکست کی صورت میں وسیع البنیاد حکومت کے مختلف اجزاء پر زبردست اختلاف ہے۔ پاکستان جو امریکہ کا فرنٹ لائن اتحادی ہے' شمالی اتحاد کی بھارت دوستی کی وجہ سے اسے قبول نہیں کر رہا اور ظاہر شاہ کو آگے لا رہا ہے جبکہ شمالی اتحاد جسے روس' ایران اور بھارت کی پشت پناہی حاصل ہے یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ طالبان کے ساتھ جنگ و جدل وہ کرے اور تختِ کابل ظاہر شاہ کو پیش کر دیا جائے۔ امریکہ حملہ کی کامیابی کا انحصار اس بات پر بھی تھا کہ جنگ اور بھوک طالبان میں پھوٹ ڈال دے گی اور ایک بڑا حصہ ملا عمر سے ٹوٹ کر حملہ آوروں سے مل جائے گا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا گیا ہے اور وزیر خارجہ متوکل کے پاکستان آنے کی خبریں بھی اڑائی گئیں لیکن ایسی حرکات کا الٹا اثر ہوا اور طالبان پہلے سے بھی زیادہ متحد نظر آتے ہیں۔ دوسری طرف جنرل فہیم امریکہ سے خود ہی معاملات طے کرنے پر دوستم کو برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ ملا عمر کی شمالی اتحاد کو بار بار اپیلیں کہ آؤ بیرونی دشمن سے متحد ہو کر لڑیں' اپنا اثر دکھا سکتی ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر شمالی اتحاد کی پیش قدمی رکی ہوئی ہے حالانکہ طالبان پر امریکی حملہ کے بعد یہ بڑی سرعت کے ساتھ متوقع تھی۔

امریکہ اپنے شیڈول اور ٹائم ٹیبل کے مطابق کامیابی کیوں حاصل نہیں کر پا رہا ہے' اس کی دو وجوہ ممکن ہیں جن میں پہلی امریکیوں کی بزدلی ہے۔ امریکہ کے جنگی طیارے

> امریکہ آہستہ آہستہ اور غیر محسوس طریقے سے پاکستان میں اپنے پاؤں پھیلا رہا ہے

گرائے جانے کے خوف سے اتنی بلندی سے بمباری کرتے ہیں کہ وہ اپنے اہداف کو صحیح طور پر اور اپنی خواہش کے مطابق تباہ و برباد نہیں کر سکے۔ وہ نیچی پروازیں کر کے طالبان کے ان فوجیوں کو نقصان نہیں پہنچا رہے جو شمالی اتحاد سے جنگ کر رہے ہیں۔ پھر یہ کہ امریکہ نے اپنے کمانڈوز افغانستان میں داخل ضرور کئے ہیں لیکن ان میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ وہ طالبان سے باقاعدہ زمینی جنگ کریں بلکہ وہ بعض گوریلا کارروائیاں کر کے واپس بھاگ جاتے ہیں۔ وہ ''مارو یا مر جاؤ'' کے جذبہ کے تحت میدانِ کارزار میں نہیں ہیں بلکہ اپنی جان کے تحفظ کو اولیت دیتے ہیں۔ لہٰذا جتنی اور جیسی کچھ کامیابی ابھی تک حاصل ہوئی ہے وہ جدید ترین اسلحہ اور ٹیکنالوجی کی بنیاد پر ہوئی ہے لیکن جنگ کے اگلے مراحل میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے جذبۂ قوت ایمانی' میدان جنگ کا جغرافیائی علم اور موسم کی موافقت اہم ترین رول ادا کرے گی اور ان تمام معاملات میں افغانیوں کو امریکیوں پر سبقت حاصل ہے۔

امریکہ کی جلد اور شیڈول کے مطابق کامیابی نہ ہونے کی دوسری وجہ خود امریکی حکومت کی خفیہ حکمت عملی بھی ہو سکتی

> طالبان کی قوت کے بارے میں مغرب کے تمام اندازے غلط ثابت ہو چکے ہیں۔

ہے۔ یہ بات تو اب کھلا راز ہے کہ امریکہ اس خطے میں اپنی مکمل بالادستی کے لئے خطرناک عزائم رکھتا ہے۔ اسے افغانستان میں ابھرتی ہوئی خالص اسلامی ریاست کو دنیا کے لئے نمونہ بننے سے روکنا تھا۔ اسے پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کو قابو کرنا ہے۔ وہ اس خطے میں اپنی موجودگی کو یقینی اور موثر اس لئے بھی بنانا چاہتا ہے کہ چین کا محاصرہ اس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ خلیج میں تیل کے ذخائر تیزی سے ختم ہو رہے ہیں اور وسطی ایشیا میں تیل کے ذخائر خلیج سے بھی زیادہ ہیں۔ ان ذخائر پر اپنا قبضہ جمانے کے لئے افغانستان ہی سے راستہ ملے گا۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ جنگ کو خفیہ حکمت عملی کے تحت جان بوجھ کر طویل کیا جا رہا ہو تاکہ آہستہ آہستہ اور غیر محسوس طریقے سے پاکستان میں پاؤں پھیلائے جائیں۔ ایک اڈے سے دوسرا اڈا' دوسرے سے تیسرا اور آج کے اخبار کے مطابق پاکستان سے چوتھا ہوائی اڈہ خالی کروا لیا گیا ہے۔ مختلف حیلے بہانوں سے مطالبات

کی فہرست بڑھاتے چلے جاؤ یہاں تک کہ یا تو وہ وقت آ جائے کہ پاکستان مزید مطالبہ ماننے سے انکار کردے اور اس کے خلاف بھی کارروائی کرنے کا موقع ہاتھ لگے اور بصورتِ دیگر اگر وہ مطالبات پورے کرتا چلا جائے تو اپنی قوت کو پاکستان میں اتنا مستحکم کرلو کہ کسی وقت اچانک یہ کہہ کر اس کی ایٹمی تنصیبات پر قبضہ کرلیا جائے کہ ہمیں خدشہ لاحق ہوگیا تھا کہ پاکستان کے مذہبی انتہاپسند اور دہشت گرد اس قدر قوی اور توانا ہوچکے ہیں کہ کہیں وہ ایٹمی ہتھیاروں پر قابض نہ ہو جائیں۔ہم نے پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو محض اپنی حفاظت میں لے کر انہیں دہشت گردوں سے بچایا ہے' ان پر مستقل قبضہ نہیں کیا۔علاوہ ازیں امریکہ جانتا ہے کہ امریکیوں کی افغانستان میں براہ راست موجودگی سے ان کے فوجیوں کو مستقل گوریلا جنگ سے خطرہ رہے گا اس لئے پاکستان میں موجود رہ کر افغانستان کو بالواسطہ پاکستان سے کنٹرول کیا جائے۔ یاد رہے برطانیہ بھی افغانستان میں شکست سے دوچار ہو کر اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ ہندوستان سے افغانستان کو کنٹرول کیا جائے۔تاریخ گواہ ہے کہ افغانستان نے براہ راست کسی کی غلامی تو اختیار نہیں کی لیکن انگریز وہاں کٹھ پتلی حکومتیں قائم کر کے اسے ہندوستان سے کنٹرول کرتا رہا ہے۔اگرچہ اسے بڑی دور کی کوڑی لانا یا اندیشہ ہائے دور دراز کہا جاسکتا ہے لیکن اس زاویئے سے غور وفکر اور اس کے عملی انسداد کی ضرورت ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ پاکستان فرنٹ لائن سٹیٹ اور امریکہ کے لئے بلاشک وشبہ اہم ترین اتحادی ہے لیکن ہو یہ رہا ہے کہ صدر پرویز مشرف کہتے ہیں جنگ مختصر اور ٹارگٹ کے مطابق ہوگی جبکہ امریکہ کے صدر بش طویل جنگ کی باتیں کرتے ہیں اور سول آبادی یہاں تک کہ ہسپتالوں کو نشانہ بناتے ہیں۔پاکستان کہتا ہے کہ فلاں فلاں کی حکومت کسی قیمت پر نہیں بننے دی جائے گی جبکہ امریکہ کے وزیر خارجہ کولن پاول پاکستان کا دورہ کرنے کے بعد بیان دیتے ہیں کہ افغانستان میں کیسی حکومت ہوگی' اس پر پاکستان یا بھارت کو ویٹو کا حق نہیں دیا جاسکتا۔پرویز مشرف کہتے ہیں کہ جنگ کے بعد امریکہ افغانستان کی تعمیر نو یقیناً کرے گا' کولن پاول کہتے ہیں کہ امریکہ ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔اس پس منظر میں پرویز مشرف کی اس گارنٹی کی کیا حقیقت ہے جو وہ ٹیلی ویژن انٹرویو میں دیتے ہیں کہ امریکہ علاقے میں دیرپا قیام نہیں کرے گا۔امریکہ جس پُراسرار قوت کا غلام ہے' اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا۔خود بڑا غلام کوئی گارنٹی دینے کی پوزیشن میں نہیں ہے تو چھوٹا غلام کوئی گارنٹی کیسے دے سکتا ہے! امریکہ کو وہی کرنا ہوگا جس کا حکم یہودی لابی دے گی البتہ صرف ایک طاقت ہے یعنی کائنات کی حقیقی سپر پاور اللہ جو بندوں کی چالوں کو اپنی چالوں سے ناکام بنا دیتی ہے۔اسی سے اُمید ہے۔اللہ ہم سب کو' خصوصاً حکمرانوں کو ہدایت دے کہ وہ حقیقی مومن بنیں تاکہ اس کی مدد کے مستحق ٹھہریں۔

درس عبرت — **مرزا ندیم بیگ**

عصر حاضر کا ابرہہ اور نہتے افغان

عصر حاضر کا ابرہہ بش اس وقت افغانستان کے معصوم اور نہتے عوام پر اپنے لاؤلشکر سمیت چڑھا ہوا ہے اور جس طرح ماضی کے ابرہہ کے لاؤلشکر کو دیکھ کر مکہ کے لوگ پہاڑوں میں جا چھپے تھے ویسے ہی افغان عوام بھی پہاڑوں میں چھپے ہوئے ہیں۔

ماضی کے ابرہہ کا لشکر روایات کے مطابق ۶۰ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا اور اس کے ساتھ ہاتھی بھی تھے جن کی تعداد بعض روایات میں ۹ جبکہ بعض میں ۱۲ ہے۔اہل مکہ نے اس سے قبل نہ کبھی اتنی فوج دیکھی تھی اور نہ اس قدر ساز وسامان اور اسلحہ کا انہوں نے تصور کیا تھا۔ہاتھی تو اہل عرب کے لئے ویسے ہی ایک نئی اور عجیب چیز تھی جو شاید انہوں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔اس کے مقابلے میں اہل عرب کی آبادی چند ہزار سے زیادہ نہ تھی جس میں بچے بوڑھے اور خواتین بھی شامل تھیں۔ ابرہہ کی اس جنگی مہم کا مقصد خانہ خدا کو منہدم کر کے اس کی مرکزیت کو ختم کرنا تھا۔

موجودہ ابرہہ بھی ایک بہت بڑے لاؤلشکر کے ساتھ اس وقت افغانستان کی سرزمین پر حملہ آور ہے۔اس ابرہہ کا مقصد بھی اپنے پیش رو سے ملتا جلتا ہے۔یہ ان دلوں کو مسمار کرنے کے لئے میدان میں کودا ہے جو خدا کے نُور سے مزین ہیں۔اس ابرہہ کے لشکر میں بھی ہاتھیوں کی مانند چار بڑے بحری بیڑے استعمال ہورہے ہیں' جو اس کے لاؤلشکر کی شان ہیں۔کل کا ابرہہ اپنی طاقت اور قوت کے نشہ میں چُور تھا اور آج کے ابرہہ کے مقابلے میں بھی کوئی طاقت نظر نہیں آتی۔مگر تاریخ شاہد ہے کہ ماضی کا ابرہہ اور اس کا لاؤلشکر ابابیلوں کی چونچ اور پنجوں سے گرنے والی کنکریوں سے تباہ و برباد ہوگیا تھا اور وہ معمولی کنکریاں آج کے کروز میزائل سے بھی زیادہ مہلک اثر چھوڑتی تھیں۔مفسرین کے مطابق یہ سنگ ریزہ چنے کے دانے کے برابر تھا۔جب یہ کسی فوجی پر گرتا تو اس کی آہنی زرہ کو چیرتا ہوا' اس کے جسم کو پھاڑتا ہوا اور اس کی سواری کے پرخچے اڑاتا ہوا زمین میں دھنس جاتا۔اس کے مہلک اثرات سے جسم پر فوراً پھنسیاں اور پھوڑے نمودار ہوجاتے جن سے پیپ اور خون بہنے لگتا درد کی شدت ناقابل برداشت ہوتی اور گوشت گل سڑ کر آن واحد میں ہڈیوں سے الگ ہو جاتا۔یوں وہ فوج جو اپنی طاقت اور غرور کے گھمنڈ میں سرشار تھی' چند لمحوں میں تباہ و برباد ہو گئی۔ایمان کی دولت سے مالا مال مگر دنیاوی قوت وطاقت سے تہی دست افغانستان کے حکمران اور عوام بھی ان شاء اللہ امریکہ کی اندھی قوت کی تباہی کا سبب بنیں گے اور چشم فلک ایک مرتبہ پھر فرشتوں کی نصرت کا منظر دیکھے گی۔

امریکہ کا افغانستان پر حملہ دہشت گردی کے خلاف نہیں بلکہ یہ حملہ اسلام کے اس عادلانہ نظام کے غلبے کا خوف ہے جس کی بنیاد طالبان نے افغانستان میں رکھ دی ہے اور جس کے آگے امریکہ کے ورلڈ آرڈر کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔۷ اکتوبر سے آج تک امریکہ کے کروز میزائل اور بم افغان عوام کے جذبہ ایمانی پر اثر انداز نہیں ہو سکے تو یہ اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ ان شاء اللہ اللہ کی مدد آئے گی اور امریکہ کا غرور افغانستان کی سرزمین پر بعینہٖ اسی طرح ٹوٹے گا جیسے ماضی میں برطانیہ اور روس جیسی سپر پاورز کا ٹوٹا تھا۔جس طرح ماضی کے ابرہہ کی فوج مہلک اثرات سے ہلاک ہوئی تھی ایسے ہی امریکی فوج اور اس کا معاشرہ انتھراکس وائرس کی نذر ہو جائے گا۔

ظاہری اسباب پر نظر رکھنے والوں کو ماضی میں بھی یہ باتیں خام خیال دکھائی دیتی تھیں اور آج بھی عجیب معلوم ہوتی ہیں مگر تاریخ جب اپنے آپ کو دہرائے گی تو ایمان کی حقیقت اور اس کی طاقت کا اندازہ ہو جائے گا۔یہ ایمانی قوت ہی ہے جس نے افغانیوں کو اس قدر خطرناک حالات میں بھی حوصلہ وہمت سے رکھا ہوا ہے جبکہ دوسری جانب امریکی معاشرہ تمام دنیاوی آسائشوں اور قوتوں کے باوجود خوف وہراس اور بے یقینی کا شکار ہے۔آج انہیں ہر بلند و بالا عمارت اپنا مدفن اور ہوائی سفر اپنا سفرِ آخرت نظر آتا ہے جبکہ داڑھی اور شلوار قمیص میں ملبوس شخص کو وہ فرشتہ اجل سمجھ بیٹھتے ہیں۔

ڈیڑھ سو سال پہلے یعنی ۱۸۴۲ء میں برطانیہ کی افواج نے افغانستان کی سرزمین کو زیرنگین بنانے کا منصوبہ بنایا تھا اور اس مقصد کے لئے ۱۹۹۹۹ فوجیوں کو افغان سرزمین کے پہاڑوں اور دشوار گزار وادیوں میں اتارا۔جنگ کے بعد ان میں سے صرف ایک شخص زندہ بچ کر فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا تھا۔

۱۹۷۹ء میں روسی افواج اپنی پوری قوت کے ساتھ سپر پاور کی حیثیت سے افغانستان میں داخل ہوئی تھیں مگر جب واپس لوٹیں تو سپر پاور ختم ہوچکی تھی اور سوویت یونین بھی محض روس رہ گیا تھا۔

ان شاء اللہ امریکہ بھی اس جنگ کے بعد یونائیٹڈ سٹیٹس آف امریکہ کی بجائے ریڈ انڈین کے زمانے کا امریکہ رہ جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ بندوں کو غلبہ اور طاقت عطا فرمائے گا۔موجودہ ابرہہ کا غرور بھی اس طرح خاک میں ملے گا جیسے ماضی کے ابرہہ کا ہوا تھا۔

مذہبی عناصر ___ انتخابی سیاست میں ناکام' احتجاجی سیاست میں کامیاب

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ۱۲ مئی ۸۹ء کے ایک فکر انگیز خطاب جمعہ کی تلخیص'
جس میں حالات حاضرہ سے متعلق رہنمائی کا وافر سامان موجود ہے

آج کی بحث کا کوئی تعلق موجودہ سیاسی گروہ بندی اور محاذ آرائی سے نہیں ہے۔ پچھلے چھ ماہ سے مرکز اور پنجاب کے درمیان جو کشمکش برپا ہے' اسے ذہن سے نکال دیجئے۔ ہماری تاریخ ان چھ ماہ کے اندر تو مقید نہیں ہے کہ اس سفر کا آغاز ۱۹۴۷ء سے ہوا تھا۔ ۲۷ رمضان المبارک کو ہم نے ۴۴ سال پورے کر لئے ہیں۔ اس عرصے میں کیا افتاد پیش آئی' کون سی رکاوٹیں حائل رہیں کہ اس ملک میں اسلام نافذ نہ ہو سکا جو اسلام نافذ کرنے کے وعدے کے ساتھ حاصل کیا گیا تھا؟ اس سوال پر جماعتی اور تنظیمی حوالوں سے بالاتر ہو کر بھی غور کرنا ہے۔ کوشش یہ ہے کہ کسی جماعت کا نام نہ آئے' البتہ طبقات کا حوالہ دینا پڑے گا۔ اس تجزیے میں لامحالہ تنقید تو شامل ہوگی۔ کہیں نہ کہیں تو کوئی گڑبڑ ہوئی ہے' کہیں نہ کہیں کوئی غلطی تو ہوئی' کسی کا قصور تو ہے۔ اتنی بڑی تحریک چلی راس کماری سے لے کر درۂ خیبر تک' چٹا

> **پوری پاکستانی قوم قول و عمل کے**
> **تضاد میں مبتلا ہے**

گنگ سے مکران تک پورا ہندوستان "پاکستان کا مطلب کیا' لا الٰہ الا اللہ" کے نعروں سے گونج اٹھا۔ سوال یہ ہے کہ تحریک اپنی منزل کیوں حاصل نہ کر سکی۔ ہمیں آج اس سوال کا جواب دینا ہے' کسی کی توہین یا تنقیص مقصود نہیں ہے۔

میرا احساس یہ ہے اور میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ کسی ایک فرد کی غلطی نہیں ہے' کسی ایک جماعت کی غلطی نہیں ہے' یہ ہماری مشترک غلطیاں ہیں۔ میری آپ سے استدعا ہے کہ آپ بھی اسی اعتبار سے اس پر غور کریں۔ یہ اجتماعی سطح پر خود احتسابی کا معاملہ ہے۔ اجتماعی سطح پر سنجیدہ تجزیے کی ضرورت اس لئے ہے کہ صورت حال بد سے بدتر اور خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی ہے۔ اگر ہم صحیح تشخیص کر سکے تو آئندہ کے لئے اپنے طرز عمل کو درست کر سکیں گے اور ایک لائحہ عمل کے خطوط اجاگر ہو سکیں گے۔ اس لئے آج میں اصطلاحات بھی قدرے مختلف استعمال کروں گا۔ آج اس موضوع پر سوچتے ہوئے قرآن مجید کا یہ نکتہ ذہن میں آیا کہ قرآن مجید میں ایک ہی مفہوم کے لئے مختلف اصطلاحات ہیں' مختلف اسلوب ہیں۔ اس کا سبب بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مختلف لوگوں کی طبائع مختلف ہوتی ہیں۔ ایک شخص ایک بات کو ایک طریقے سے بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے' دوسرا اسی بات کی تفہیم کسی اور طریقے سے حاصل کرتا ہے اور پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک اصطلاح ایک ذہن میں کوئی تحریک پیدا نہیں کرتی لیکن وہی بات قدرے مختلف انداز سے سامنے آئے تو ذہن و فکر اسے قبول کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔

ایک پوری قوم یا پورے گروہ کی اجتماعی کوتاہی کی ایک بہترین مثال سورۃ النور میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے..... "کہ جو لوگ بھی اس میں شریک ہوئے' انہوں نے اس گناہ میں سے حصہ پا لیا؟ البتہ ایک شخص ایسا بھی ہے کہ جس نے اس کا سب سے بڑا حصہ پایا ہے"۔

ہم نے آزادی سے کیا حاصل کیا؟

میری رائے میں پاکستان میں اسلام اس لئے نافذ نہ ہو سکا کہ پوری قوم قول و عمل کے تضاد میں مبتلا ہے۔ "تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے"۔ یہ پوری امت مسلمہ کا حال ہے۔ دین کے علمبردار بھی دین پر پوری طرح عمل نہیں کرتے۔ بعض حصوں کو انہوں نے حالات کی مجبوری قرار دے کر اور بہانہ بنا کر ترک کر دیا ہے۔ ہم میں سے ہر شخص اپنے گریبان میں جھانکے۔ ہم نے آزادی کا مطلب یہ سمجھا کہ دنیاوی ترقی کے لئے راستے کھل گئے۔ ترقی کے راستے میں ہماری غلامی بھی حائل تھی اور اس سے کہیں بڑھ کر ہندو حائل تھا۔ ہندو ہم سے زیادہ بیدار تھا' ہم سے زیادہ محنتی تھا' ہم سے زیادہ منظم تھا۔ وہ تعلیم میں ہم سے آگے نکل گیا تھا' تجارت کے میدان میں تو وہ پہلے ہی آگے تھا اور اگر وہ موجود رہتا تو مسلمانوں کو اس قدر آگے بڑھنے کے مواقع نہ ملتے۔ پاکستان بنا تو ترقی بھی ہوئی۔ ہمارے ہاں برلا اور ٹاٹا نہیں تھے' اب ہمارے ہاں برلا اور ٹاٹا کے باپ پیدا ہو گئے ہیں۔ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد ایک ہی سیاسی جماعت تھی اور وہ مسلم لیگ تھی۔ احرار نے پاکستان بننے کے بعد سیاسی میدان سے پسپائی اختیار کر لی۔ جماعت اسلامی نے اس سے پہلے عملی سیاست میں حصہ نہیں لیا تھا' اس کی سیاست محض نظری تھی۔ پاکستان بننے کے بعد سیاسی منظر پر کئی جماعتیں نمودار ہوئیں۔ ری پبلکن پارٹی' نیشنل عوامی پارٹی' جناح لیگ' عوامی لیگ' جناح عوامی لیگ..... ان میں سے بعض مسلم لیگ ہی کے انڈے بچوں کی حیثیت رکھتی تھیں۔ سیاسی جماعتوں کے حوالے سے ایک بنیادی اور اصولی بات یہ ہے کہ کسی پارٹی کے نام میں مسلم کا لفظ موجود ہو یا نہ رہا ہو' سیاسی جماعت عوام کی ذہنی و سیاسی تربیت کرتی ہو یا نہ کرتی ہو' یہ انہی کی ذہنی و سیاسی حالت کی عکاسی کرتی ہے' خواہ اسے عوام کی محدود سی حمایت ہی حاصل ہو۔ عوام کی جو بھی حالت ہو وہ آپ کو زیادہ گاڑھی شکل میں سیاسی جماعت میں نظر آ جائے گی۔ اگر عوام میں دیانت ہے' امانت ہے' سچائی ہے تو سیاسی جماعت میں اس سے زیادہ دیانت و امانت ہوگی اور اگر لوگوں کے

> **سیاست میں کامیابی کی کلید جاگیرداری'**
> **زمین داری اور سرمایہ داری ہے**

اندر دھوکا ہے' جھوٹ ہے' بدعہدی ہے تو یہ سب عیب سیاسی جماعت میں بہت زیادہ گاڑھی شکل میں نمایاں ہو جائیں گے۔ جماعتوں کا جائزہ لینے کے لئے انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک حصہ ان فعال مذہبی عناصر کا ہے جو خالصتاً غیر سیاسی ہیں' سیاسی کے میدان سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں۔ ان کا کام درس و تدریس' تعلیم و تصنیف' نصیحت و تلقین' جمعہ و جماعت رہا۔ پاکستان میں خاص طور پر مغربی پاکستان میں' دار العلوم بہت کم تھے۔ ہماری دینی ثقافت کا اصل مرکز یوپی تھا۔ دہلی سے بہار تک دار العلوم دیوبند ہے' ندوۃ العلماء ہے' مظاہر العلوم ہے' اعظم گڑھ کے مدارس ہیں۔ مغربی پاکستان کے علاقے میں ..... جو اب پورا پاکستان ہے..... سیاست سے دلچسپی نہ رکھنے والے مذہبی عناصر نے دینی درسگاہوں کی کمی دور کی۔ انہوں نے بہت محنت و مشقت سے یہ بیش قیمت کام سرانجام دیا اور بڑے بڑے دار العلوم وجود میں آئے۔ جامعہ اشرفیہ عظیم

الشان دار العلوم ہے' کبھی نیلا گنبد کی ایک مختصر سی مسجد میں چھوٹے چھوٹے حجروں تک محدود تھا۔ کراچی کا بنوری ٹاؤن کبھی ایک چھپر تھا۔ ایک بڑے ٹرنک میں کتابیں محفوظ رکھی جاتی تھیں کہ بارش سے برباد نہ ہو جائیں۔ یہ علماء کی جگر کاویاں ہیں' کتنی ہی روشن زندگیاں اس جدوجہد میں لگا دی گئیں' جن سے یہ منظر پیدا ہوئے۔ اسی حلقے کا ایک تحریکی حصہ تبلیغی جماعت ہے۔ اس جماعت نے کتنی ترقی کی ہے' ان کا بھی وہی کام ہے تلقین ونصیحت۔ یہ جماعت نہ صرف غیر سیاسی ہے بلکہ ایک اعتبار سے اسے سیاست دشمن (antipolitics) کہا جاسکتا ہے۔ یہ دار العلوم نہ ہوتے تو مساجد کیسے آباد ہوتیں' یہ خطیب اور امام کہاں سے

خالص مذہبی عناصر کا کردار محض درس و تدریس' تعلیم وتصنیف' نصیحت و تلقین اور جمعہ و جماعت تک محدود رہا

آتے۔ مذہبی احساس کے ڈھانچے کو برقرار اور قائم رکھنے میں ان اداروں کا بڑا کردار ہے۔ تاہم یہ ادارے کتنے ہی قابل قدر کیوں نہ ہوں لیکن مشکل یہ ہے کہ انہوں نے حصول آزادی سے پیدا ہونے والے تقاضوں کو محسوس کیا اور نہ انہیں ادا کرنے کی طرف کوئی توجہ دی۔ ان کی جو روش آزادی سے پہلے تھی وہی آزادی کے بعد بھی برقرار رہی۔ جو نصاب وہ آزادی سے پہلے پڑھا رہے تھے آزادی کے بعد بھی وہی پڑھاتے رہے۔ انہوں نے تبدیلی کی اہمیت کو سمجھا ہی نہیں کہ اس آزاد ملک کے اندر کس قسم کے علماء ہمیں تیار کرنے کی ضرورت ہے' ان میں کیا صلاحیتیں ہونی چاہئیں' یہ کہ اگر ہمیں یہاں اسلام کو عملاً برپا کرنا ہے تو کیا استعداد ہمیں فراہم کرنی چاہئے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ تقلید ان کے ہاں اصول موضوعہ بن چکی ہے' طرز زندگی اور ایک عادت ثانیہ بن چکی ہے۔ ایوب خان کے دور میں نظریاتی کونسل کے سربراہ ڈاکٹر تنزیل الرحمن نے ''مجموعہ قوانین اسلامی'' کے نام سے ایک کتاب مرتب کی تھی۔ اس پر مولانا بنوری نے ایک تائیدی و تحسینی شذرہ لکھ دیا۔ بعض علماء نے اس پر ناخوشی کا اظہار کیا کہ مولانا بنوریؒ نے ایک جدید تعلیم یافتہ دانشور کی حوصلہ افزائی کیوں کی۔ اس پر مولانا بنوریؒ نے فرمایا کہ ہم وہ کام نہیں کر رہے جو ہمیں کرنا ہے اور اس سے آگے بڑھ کر ہماری غلطی یہ ہے کہ اگر کوئی اور یہ کام کرتا ہے تو ہمیں اچھا معلوم نہیں ہوتا اور ہم اس کی تائید اور تحسین کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ عوام کا جو طبقہ مدرسے اور دار العلوم چلانے والے غیر سیاسی علماء کے زیر اثر آیا ان میں عمومی بے چینی موجود رہی۔ اس بے چینی کا فائدہ اٹھایا غیر مذہبی طالع آزماؤں نے یعنی اگر مذہب کے نام پر کوئی سیاسی تحریک اٹھی تو اسے سیاسی طالع آزماؤں نے اُچک لیا۔ مذہبی لوگ تو سمجھتے ہی نہ تھے کہ معاشرہ کدھر جا رہا ہے' سیاست کا رخ کیا ہے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر حضرات کا اندازِ فکر یہ تھا کہ صرف چمڑی کی رنگت بدلی ہے۔ پہلے گوری چمڑی والے ہم پر حکمران تھے اب وہ کالے انگریز ہم پر حکمران ہیں اور یہ بات اپنی اصل کے اعتبار سے حقیقت کے خلاف بھی نہیں تھی۔ اس لئے کہ جن لوگوں کے پاس اقتدار واختیار آیا خاص طور پر سول اور آرمی بیورو کریسی میں سے تو عقیدت کے اعتبار سے' معاشرت کے اعتبار سے' اپنی وضع قطع کے اعتبار سے' اپنی نشست و برخاست کے اعتبار سے' اپنے تہذیبی طور اطوار کے اعتبار سے یہ لوگ بڑی حد تک مغربی تھے۔ علماء میں یہ احساس موجود رہا اور ان کے زیر اثر یہ احساس عوام میں منعکس ہوتا رہا' چنانچہ عوام میں بے چینی موجود رہی۔ لہٰذا جب سیاسی تحریک میں اسلام کا نعرہ لگا اور عوام میں تحریک کا ولولہ پیدا ہو گیا تو غیر سیاسی مذہبی عناصر بے اثر اور غیر متعلق ہو کر رہ گئے۔

نظری اور عملی سیاست کا فرق اور مذہبی عناصر کا کردار

سوال یہ ہے کہ سیاسی سطح پر فعال دینی حلقے کا کردار کیا رہا۔ سیاست کو دو حصوں میں بانٹ دیجئے: نظری سیاست اور عملی سیاست۔ نظری سیاست کی سب سے بڑی مثال صحافی حضرات ہوتے ہیں کہ وہ اگرچہ الیکشن نہیں لڑتے' کبھی پاور پالیٹکس کے اندر خود کھلاڑی کی حیثیت سے شریک نہیں ہوتے' لیکن فضا ہموار اور رائے عامہ تیار کرتے ہیں' کسی ایک کے حق میں' کسی دوسرے کے خلاف۔ سرگرم اخبار نویس نظری سیاست میں بھرپور حصہ لینے کی بہترین مثال ہیں اگرچہ وہ عملاً سیاست کے میدان میں نہیں

تمام انتخابی معرکوں میں کسی مذہبی جماعت کو کبھی کوئی بڑی کامیابی حاصل نہ ہو سکی

ہوتے۔ دوسرا حصہ عملی سیاست ہے۔ عملی سیاست کے پھر دو حصے ہیں۔ ایک انتخابی سیاست جس کے پیش نظر نظام کو بدلنا نہیں ہوتا بلکہ نظام کو چلانے والے ہاتھوں کو بدلنا ہوتا ہے' دوسرے انقلابی سیاست ہے جس کے پیش نظر رائج نظام کو یکسر بدل ڈالنا ہے۔ ایک ہے انتخابی سیاست یا براہ راست حصول اقتدار کے لئے جدوجہد کی سیاست' جسے آپ کہیں گے الیکشن پالیٹکس یا پاور پالیٹکس۔ دوسرے حصے کے لئے تین اصطلاحیں استعمال کی جاسکتی ہیں: احتجاجی سیاست' مطالباتی سیاست' مظاہراتی سیاست۔ سیاسی تحریکیں چلتی ہیں' مظاہرے ہوتے ہیں' ایجی ٹیشن ہوتا ہے۔ اس میں بھی ظاہر بات ہے کہ کوئی نہ کوئی سیاسی نقطۂ نظر سامنے ہوتا ہے۔ کبھی کسی کو گرانا مقصود ہے' کبھی کسی کو ابھارنا مقصود ہے۔ اگرچہ اس میں بھی اکثر و بیشتر پاور پالیٹکس ملوث ہو جاتی ہے' لیکن بنیادی طور پر یہ الگ بھی ہیں۔

میزانیہ نفع ونقصان

اب ذرا چالیس سالہ تاریخ کا جائزہ لیجئے کہ ہمارے ہاں ان دونوں سیاستوں کے اعتبار سے حال کیا رہا ہے۔ فعال مذہبی حلقے انتخابی سیاست میں بری طرح ناکام رہے جبکہ احتجاجی سیاست' مظاہروں اور مطالبوں کی سیاست میں وہ نہایت کامیاب رہے۔ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۷۰ء تک جو بھی

اقتدار واختیار کے حامل افراد اپنی معاشرت' وضع قطع' طور اطوار سے مغربی ہیں

انتخابی معرکے برپا ہوئے ان میں مذہبی جماعتوں کو کبھی کوئی بڑی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ ایک خاص جماعت کراچی کارپوریشن کے لوکل الیکشن میں سرخرو ہوتی رہی لیکن صوبائی اور قومی سطح پر اسے کبھی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں مرکزی سطح پر تو بعض نمایاں رہنما جیت گئے تھے کہ جو گرمیٔ محفل کو برقرار رکھ سکتے تھے' اگرچہ وہ مؤثر ہرگز نہ تھے۔ اس جماعت کے علاوہ دوسرے مذہبی عناصر میں سے کوئی بھی مؤثر گروپ اسمبلی میں نہ پہنچ سکا۔ صرف صوبہ سرحد میں ایک مذہبی جماعت کو ایسی حیثیت حاصل ہوئی تھی کہ وہ مخلوط وزارت میں شامل ہوئی۔ اب ۱۹۸۸ء کے انتخابات میں اسی جماعت کو بلوچستان میں کچھ حیثیت حاصل ہوئی ہے کہ وہ مخلوط وزارت میں شامل ہے۔ جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے' کچھ تھوڑی سی شرکت ملی ہے اقتدار میں۔ لیکن کس قیمت پر؟ اپنا تشخص ختم کر کے' اپنے آپ کو ایک اتحاد میں مدغم کر کے' دوسرے یہ کہ اسے جو بھی حیثیت حاصل ہے وہ اصل میں اس کی سٹریٹ پاور کی بنیاد پر ہے۔ وہی ایجی ٹیشن اور مظاہرے کی سیاست میں استعمال ہونے والی قوت ورنہ عددی اعتبار سے ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ اتنے فعال دینی عناصر الیکشن کے میدان میں اس بری طرح ناکام کیوں ہوئے ہیں؟ میرے نزدیک اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہمارے ہاں سیاست میں کامیابی اور قوت کی کلید' اصل پاور بیس (Power Base) جاگیرداری' زمینداری اور سرمایہ داری ہے۔ جب تک طاقت کی اس بنیاد میں کوئی تبدیلی نہ ہو الیکشن کے نتائج میں کوئی بنیادی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔ سندھ کی سطح پر

جاگیرداری اور زمینداری' پنجاب کی سطح پر زمینداری اور سرمایہ داری۔ اکثر و بیشتر تو زمینداری کا ہی معاملہ ہے۔ کبھی کبھی کوئی سرمایہ دار گروپ بھی میدان میں آجاتا ہے' شاذ و نادر ـــــ درحقیقت سرمایہ دار بھی اکثر و بیشتر وہی ہے جو بنیادی طور پر زمیندار ہے۔

دوسرا بڑا سبب جس نے مذہبی عناصر کی ناکامی کو اور زیادہ نمایاں کردیا وہ آپس کی چپقلش اور دھینگا مشتی ہے۔ اگر اسلام کے نام پر ایک محاذ وجود میں آگیا ہوتا تو یقیناً وہ اس حشر سے دوچار نہ ہوتے۔ مذہبی ووٹ تقسیم ہوا اور اس کا بہت بڑا منفی نتیجہ یہ نکلا کہ فرقہ واریت کے جراثیم زیادہ گہرائی میں اتر گئے' اس لئے کہ سیاست کی تلخیاں بھی اس میں شامل ہو گئیں۔ یہ تمام مذہبی عناصر کی کارگزاری ہے' کسی ایک کی نہیں۔ اس کے برعکس مطالباتی' احتجاجی اور مظاہراتی سیاست کے اندر یہی دینی عناصر معاشرے کی مؤثر ترین قوت ہیں۔ مطالباتی سیاست کی سب سے پہلی اور عظیم کامیابی مطالبۂ دستورِ اسلامی کی مہم تھی' جس کے نتیجے میں قراردادِ مقاصد پاس ہوئی۔ یہ تحریک اس لئے کامیاب رہی کہ جس جماعت نے اس کا آغاز کیا تھا وہ اس وقت تک سیاسی جماعت نہیں بنی تھی۔ اس نے ایک اصولی' دینی مطالبہ اٹھایا۔ اسے تمام دینی عناصر کی تائید حاصل ہوگئی یہاں تک کہ حکومتی جماعت مسلم لیگ کے مخلص اور اسلام پسند عناصر نے بھی اس مطالبے کی بھرپور تائید کی۔ سب جانتے ہیں کہ اس میں فیصلہ کن کردار مولانا شبیر احمد عثمانی" اور ان کے ساتھیوں نے ادا کیا۔ یہ سیاست کا کھیل نہ تھا' خالص دینی مطالبہ تھا کہ دستور کا مزاج اور خمیر اسلامی ہونا چاہئے۔ اگر یہ محسوس کیا جاتا کہ یہ کسی جماعت کا سیاسی ہتھکنڈہ ہے تو برسر اقتدار پارٹی بھی اس کی تائید نہ کرتی۔

احتجاجی سیاست کی ایک دوسری بڑی کامیابی صدر ایوب خان کا زوال ہے۔ اس تحریک میں غیر مذہبی عناصر بھی تھے لیکن تحریک کی اصل قوت مذہبی عناصر ہی تھے۔ کوئی تحریک ہمارے ہاں نہیں چل سکتی جب تک کہ مذہبی عناصر اس کا ساتھ نہ دیں۔ جب قربانی دینے کا وقت آتا ہے تو جمہوریت اور سوشلزم کے نام لیوا دبک جاتے ہیں' تب صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کے نام لیوا اپنے گریبان کھولتے اور سینوں پر گولیاں کھانے کے لئے آگے بڑھتے ہیں۔

ایک اور بڑی کامیابی ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت تھی۔ یہ قراردادِ مقاصد کی منظوری ایسی کامرانی تھی جب مغرب نواز جدید تعلیم یافتہ لوگ رنجیدہ ہو کر کہتے تھے کہ وہ عوام کی بجائے اللہ کی حکمرانی کا تصور قبول کرنے کے بعد دنیا کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔ اس دور میں جب سیکولرازم' یعنی یہ تصور کہ مذہب فرد کا انفرادی معاملہ ہے' دنیا کا سب سے بڑا مقبول و محبوب عقیدہ اور ایک مسلمہ بین الاقوامی اصول بن چکا ہے' قادیانیوں کو اقلیت قرار دینا ایک حیرت انگیز کامیابی تھی۔ قادیانی جماعت پوری دنیا میں معروف تھی۔ کتنے ملکوں میں ان کے مشن کام کر رہے تھے۔ دنیا کے ممتاز رہنماؤں کے ساتھ ان کے مراسم اور تعلقات تھے۔ حکومت اس مطالبے کو ماننے پر کبھی آمادہ نہ ہوتی لیکن جوش و جذبے سے بھرے بے پناہ انسانی ہجوموں نے اسے بے بس کر کے رکھ دیا۔ یہ مظاہراتی سیاست کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ اس میں علماء نے بھرپور حصہ لیا اور انہی کی قیادت میں یہ جنگ جیتی جاسکی۔ سب سے اہم اور آخری کامیابی وہ ہے جسے ہم ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ" کہتے ہیں۔ کیسی عظیم تحریک تھی۔ لوگوں نے مانا کہ ۱۹۴۷ء والے حالات پیدا ہوئے۔ وہی جوش' وہی قربانی کا جذبہ' لاہور نے جو منظر دیکھے ہیں' وہ کبھی فراموش نہیں کئے جاسکیں گے۔ لوگ آگے بڑھتے اور گولیاں کھاتے رہے لیکن انہوں نے شکست تسلیم کرنے سے انکار کردیا حتیٰ کہ وہ کرسی زمین پر آرہی' جس کی مضبوطی کا دعویٰ کیا گیا تھا۔

> **باہمی چپقلش اور دھینگا مشتی نے**
> **سیاست میں مذہبی عناصر کی ناکامی کو**
> **مزید واضح کردیا**

اس تحریک میں جملہ مذہبی عناصر متحد تھے۔ ختم نبوت کی تحریک کی طرح جس میں شیعہ' سنی' بریلوی' دیوبندی' اہل حدیث' جماعت اسلامی والے' سب شریک تھے۔ یہ اتحاد کامیابی کی کلید بنا۔ دوسری بات یہ کہ ان تحریکوں میں بیشتر سیاسی عناصر بھی شریک رہے۔ ایوب خان کے خلاف' بھٹو صاحب کے خلاف۔

اس موازنے کے چند اور دلچسپ پہلو بھی ہیں۔ ایک مثال یہ ہے کہ ایک خاص جماعت نے اسلامی دستور کے لئے مہم شروع کی اور وہ کامیاب رہی لیکن وہی جماعت پہلی بار ۱۹۵۱ء کے الیکشن میں پنجاب کے میدانوں میں آئی تو چاروں شانے چت ہوگئی۔ وجہ کیا ہے؟ یہ کہ جب آپ نے تحریک اٹھائی تو سب آپ کے ساتھ تھے اور الیکشن کے میدان میں اترے تو وہی سب لوگ آپ کے مدمقابل تھے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی کامیابی کے لئے کوشاں تھا۔

دوسری مثال یہ ہے کہ ختم نبوت جیسے خالص مذہبی مسئلے پر ایک تحریک ۱۹۵۳ء میں چلی اور ناکام ہوئی' بری طرح ناکام ہوئی' حالانکہ تب ۱۹۷۴ء سے زیادہ قربانیاں دی گئیں۔ سبب یہ ہے کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک مجلس احرار اسلام نے شروع کی تھی جو ماضی میں بہت بھرپور سیاسی کردار ادا کرتی رہی تھی۔ اگرچہ اس نے قیام پاکستان کے بعد اپنی وہ سیاسی حیثیت ختم کردی تھی مگر لوگوں کو پچھلی تاریخ اور ان کا پس منظر بھولا تو نہیں تھا۔ لہٰذا اس تحریک میں سیاسی معنی تلاش کئے گئے۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک میں اگرچہ سیاسی عناصر بھی شریک تو تھے مگر اصل قیادت خالص غیر سیاسی شخصیت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے ہاتھ میں تھی۔

شریعت بل ایک خالص دینی مسئلہ تھا۔ یہ کوئی زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔ اس کے لئے متحدہ شریعت محاذ بنا' لیکن بری طرح ناکام ہوا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا کلنک کا ٹیکہ ہوگا کہ کوئی تحریک الٹی میٹم بھی دے کہ ۲۷ رمضان المبارک تک بل منظور نہ کیا گیا تو ایک عوامی تحریک برپا کر دیں گے اور اس کے بعد پھر وہ بالکل خاموش ہو کر بیٹھ رہے۔ متحدہ شریعت محاذ میں اگرچہ سیاسی مذہبی عناصر بھی تھے اور غیر سیاسی و مذہبی عناصر بھی' لیکن قیادت میں پلڑا بھاری تھا سیاسی عناصر کا۔ دوسری حقیقت یہ ہے کہ جتنے دینی سیاسی عناصر اس میں شامل تھے وہ منقسم ہو چکے تھے۔ مولانا احسان الٰہی ظہیر اور ان کی جمعیت اہل حدیث' مولانا نورانی میاں کی جمعیت علماء پاکستان' مولانا فضل الرحمٰن کی جمعیت علماء اسلام شدید مخالفت کر رہی تھیں' جبکہ جمعیت اہل حدیث اور جمعیت علماء اسلام کا ایک ایک دھڑا بل کی حمایت میں سرگرم تھا۔ ان دھڑوں کے درمیان جو بھی اختلاف تھا وہ خالص سیاسی تھا۔ کوئی مذہبی اختلاف نہیں تھا۔ ریفرنڈم کے معاملے میں اختلاف' دستور کے معاملے میں اختلاف' بحالیٔ جمہوریت کے مسئلے پر اختلاف۔

معلوم ہوا کہ تحریکیں ناکام وہاں ہوتی رہی ہیں جہاں کچھ بھی عمل دخل ان سیاسی عناصر کا یا سیاسی ذہنیت کا ہوا اور تحریکیں کامیاب وہ ہوتی ہیں جو خالص غیر سیاسی عناصر کے تحت چلی ہیں کسی خالص دینی مسئلے کے لئے۔

بھارت کا مسلمان بازی لے گیا

ان تین مثالوں کے علاوہ جو ہماری ۴۳ سالہ تاریخ کی عوامی تحریکوں سے پیش کی گئیں' بھارتی مسلمانوں کے حوالے سے بھی ایک نادر مثال حال ہی میں سامنے آئی ہے۔ بھارتی مسلمانوں' خاص طور پر فعال مذہبی عناصر کے لئے یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ وہ الیکشن کے میدان میں آئیں اور انہیں کوئی کامیابی حاصل ہو۔ چونکہ یہ میدان بند ہے لہٰذا ساری توجہ اب دوسرے میدان کی طرف ہے اور اس سے کیا عظیم الشان نتیجہ سامنے آیا۔ بھارتی سپریم کورٹ نے مسلمانوں کے عائلی قوانین میں دخل اندازی کرنے والا ایک فیصلہ صادر کیا کہ اگر کوئی مسلمان اپنی بیوی کو طلاق دے تو جب تک مطلقہ بیوی دوسری شادی نہ کرلے اس کا نان نفقہ سابق شوہر کے ذمہ رہے گا۔ ہندوستان کا مسلمان' اس فیصلے کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑا ہو

گیا۔ اتنی عظیم تحریک برپا ہوئی' جانیں دیں انہوں نے' پٹنہ میں غالباً ایک دن میں ساٹھ مسلمانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ ہندی مسلمانوں کے تمام فرقے جمع ہو گئے۔ سنی' شیعہ' اہل حدیث' جماعت اسلامی' بریلوی' دیوبندی سب بنیان مرصوص بن گئے۔ یہ ساری باتیں میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ شاید ان پر غور کیا جائے۔ میں کوئی مؤرخ نہیں ہوں' تاریخ نگاری میرا مشغلہ نہیں ہے۔ بھارتی مسلمانوں کی اس تحریک کی قیادت ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں تھی جو خالص غیر سیاسی تھا یعنی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ۔ جیسے یہاں مولانا یوسف بنوریؒ تھے اسی طرح وہاں مولانا علی میاں ہیں۔ ایک عالم' ایک مصنف' لوگوں کے لئے ایک محترم رہنما اور مشیر۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بھارتی وزیر اعظم نے مولانا علی میاں سے رابطہ کیا' خود برسر اقتدار کانگریس پارٹی نے اسمبلی میں مسلمانوں کے عائلی قوانین کو تحفظ دینے کے لئے بل پیش کیا اور بھارتی وزیر اعظم نے مسلمانوں کے مقدمے کی وکالت کرتے ہوئے کہا کہ اسلام عورتوں کے حقوق کی بہترین ضمانت مہیا کرتا ہے۔ سیکولر بھارت میں یہ ایک عظیم کامیابی تھی' محض سیکولر بھارت میں نہیں بلکہ اس بھارت میں جہاں ہندو کا غلبہ ہے۔ ہندوستان کا مسلمان ہم سے بازی لے گیا۔ ہم بہت پیچھے رہ گئے۔ ہمارے ہاں ۱۹۶۱ء میں فیملی لاء آرڈیننس آیا اور ہمارے ہاں کے تمام مذہبی عناصر نے بالکل بیک آواز کہا کہ یہ غلط ہے' اسلام کے خلاف ہے' شریعت اسلامی میں دخل اندازی ہو رہی ہے' لیکن کسی نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ ۶۲ء میں وہ قوانین نافذ ہوئے اور آج ۸۹ء تک وہ قوانین جوں کے توں چھبیس سال سے ہمارے ہاں نافذ ہیں۔ سبب وہی ہے کہ سیاست کی گندگی ملوث ہو گئی۔ بھارت میں سیاست مسلمانوں کے لئے وجہ ترغیب نہیں ہے کیونکہ کسی کو بھی اس میں اپنے لئے امکانات نظر نہیں آتے۔ کسی بلی کو چھیچھڑا نظر نہیں آتا۔ یہاں سیاسی اختلافات ختم کر کے ایک جگہ جمع بھی ہوتے ہیں تو باہم دگر لڑتے ہیں۔ ۷۷ء میں کیا ہوا کہ مذہبی عناصر ہی آپس میں منقسم ہو گئے۔ یہاں ایک افطار پارٹی میں علماء جمع ہوئے تو علیحدہ علیحدہ چھ جماعتیں ہوئیں' اس لئے کہ ہر ایک کے سامنے ایک نقشہ ہے' ہر ایک کو سیاست کے اندر اپنا مستقبل دیکھنا ہے' اپنی بھیڑوں کو علیحدہ منظم کرنا ہے۔ یہ فرق و تفاوت ہے۔ اسے اگر سامنے رکھیں تو بہت سے حقائق ہمارے سامنے اُجاگر ہو جائیں گے۔

حاصل کلام

ان حقائق سے کیا نتیجہ سامنے آیا؟ کیا سبق نکلتا ہے؟ اگرچہ میرے نزدیک وہ ازخود اظہر من الشمس ہے۔ کسی کی نیت پر کوئی حملہ مقصود نہیں' اللہ شاہد ہے بدنیتی کے الزام کا شائبہ بھی میرے دل میں نہیں ہے۔ مذہبی سیاست کے بعض علمبرداروں کا ایک قول ہے اور اسے وہ ایک مثبت یافت کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ اگرچہ ہم پاکستان میں اسلامی نظام قائم نہیں کر سکے لیکن ہم نے یہاں کسی اور نظام کی جڑیں بھی جمنے نہیں دیں۔ یہ بات درست ہے' اپنی جگہ پر معقول بھی اور اس سے بڑھ کر کارکنوں کے جذبہ کار کو برقرار رکھنے کے لئے موثر بھی ہے۔ لیکن ذرا اس تصویر کا دوسرا رخ دیکھئے۔ اس کا منفی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پاکستان عدم

> **عوام کی ذہنی اور اخلاقی حالت اپنی گاڑھی شکل میں سیاسی جماعت میں ظاہر ہو جاتی ہے**

استحکام کا شکار ہے' یہاں کوئی توازن قائم نہیں ہو سکا۔ جو آیا اسے فکر رہی جیسا کہ آج بھی ہے کہ کسی طرح مینڈکوں کی پنسیری کو سنبھال کر رکھا جا سکے۔ کوئی سیاسی استحکام پیدا نہیں ہوا' سیاسی ادارے جنم نہیں لے سکے' کوئی سیاسی روایات قائم نہیں ہوئیں۔ نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج ہم سیاسی طور پر بحیثیت مجموعی نابالغ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ چیز ہمارے مستقبل کے اعتبار سے انتہائی خوف ناک ہے۔

میں دو جملوں میں اس کا تجزیہ پیش کرنا چاہتا ہوں' اگرچہ اندیشہ ہے کہ اس سے غلط فہمی پیدا نہ ہو جائے۔ میرا تجزیہ ہے کہ ہماری قوم بحیثیت مجموعی سیکولر مزاج کی حامل ہے۔ مذہب کا معاملہ متعلق ہے ذاتی زندگی سے۔ باقی زندگی کے گوشوں کا تعلق مذہب سے نہیں ہے۔ آج مذہب مسجد سے متعلق رہ گیا ہے۔ نماز سے' روزے سے۔ کاروبار سے مذہب کا کوئی تعلق نہیں۔ ہر حرام چیز ہم نے اپنے لئے جائز کر لی ہے تو ہم نے سیکولر مزاج ملک کی گاڑی کو چلنے نہیں دیا' اسے روک کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ دین کی طرف لے جانے کے لئے جو محنت کرنی چاہئے تھی وہ نہیں کی بلکہ پاور پالیٹکس میں الجھ کر رہ گئے۔ ہم نے کبھی ایک دھڑے کا حصہ بن کر اسے کامیاب کرایا اور کبھی دوسرے دھڑے کے ساتھی بن گئے۔ یوں اصل طاقت بدستور جاگیردار طبقہ کے ہاتھ میں ہے' وہی ادھر سے ادھر ہوتے اور ہر بار پرانی حکومتوں کی لاش پر نئے اقتدار کا محل تعمیر کرتے ہیں۔ دین کے لئے جو کام کرنا چاہئے تھا وہ ہم نے نہیں کیا۔ خالص دینی مسئلے پر تحریک نہیں چلائی' سیاسی تحریکوں کا تتمہ بن گئے' الیکشن میں آئے تو ایک دوسرے کا مقابلہ کیا چنانچہ کوئی مثبت پیش رفت نہ ہو سکی۔ ۱۹۶۱ء کے فیملی لاء آرڈیننس کو تمام مکاتب فکر کے بڑے بڑے علماء نے خلاف اسلام قرار دیا تھا۔ لیکن اس کی بنیاد پر تحریک نہ اٹھائی' اس کی بنیاد پر جمع نہ ہوئے۔ شریعت کے اندر تحریف گوارا کی لیکن سارا زور ڈال دیا بحالی جمہوریت کی تحریک پر۔ اس جدوجہد کے نتیجے میں جو جمہوریت بحال ہوتی ہے' لازماً وہ ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کہ ہم ہیں۔ پہلی مرتبہ ایوب خاں کی ٹانگ آپ نے کھینچی پھر بھٹو کی اور دونوں مرتبہ جو نتیجہ نکلا' وہ آپ کے سامنے ہے۔ اب نومبر ۱۹۸۸ء کے انتخابات سے بحالی جمہوریت کے بعد تو اور بھی عجیب نقشہ ابھرا ہے کہ اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں جس کی سیاست میں ۵۰ سال سے اسلام کا نعرہ گونج رہا ہے' اب وزارت عظمٰی کے منصب پر ایک خاتون فائز ہے۔ یہ اس تضاد کی انتہا ہے' جس میں ہم مبتلا ہیں۔ یہ سب ہماری غلط حکمت عملی کا نتیجہ ہے اور اگر یہ صورت حال جاری رہی تو شاید ہمارے پاس بہت تھوڑا وقت باقی ہو۔ ضرورت یہ ہے کہ ہم صورت حال پر' اپنے طرز عمل پر از سر نو غور کریں۔ سنجیدگی سے' یکسوئی کے ساتھ!

زبان خلق

نکاح اور ولیمہ کے سلسلہ میں ایک مستحسن تجویز

لاہور سے تازہ ہوا کا ایک جھونکا آیا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے فرمایا ہے کہ شادی بیاہ کے سلسلہ میں اسراف و تبذیر کے خاتمہ کے لئے اگر عین نکاح کے وقت ہی ولیمہ منعقد کر لیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ اس سلسلے میں شادی بیاہ کے ضمن میں شروع کی گئی اس اصلاحی تحریک میں پانچ اقدامات پر عملدرآمد پہلے ہی ہو رہا تھا۔ اول: نکاح مسجد میں' دوم: حاضرین کے استفادے کے لئے خطبہ نکاح کا ترجمہ و تشریح' سوم: لڑکی والوں کی طرف سے دعوت طعام نہ ہو' چہارم: بارات کا تصور ختم کر دیا جائے' پنجم: جہیز بالکل نہ دیا جائے۔ ان ہدایات میں اب انہوں نے چھٹے نکتے کا اضافہ کر دیا ہے' جس کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب مستند عالم دین اور مفسر قرآن ہی نہیں ایک مصلح کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ ان کی یہ تحقیق شادی بیاہ کی قبیح رسوم کے خاتمہ کا یقیناً سبب بنے گی۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ نہ صرف ان کی جماعت اس احسن روایت کو اپنائے گی بلکہ عامۃ المسلمین بھی اسے اختیار کرنے میں ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیں گے۔ ہم علماء کرام سے بھی اپیل کریں گے کہ وہ اپنے خطبات میں مہم کے طور پر عوام کی توجہ اس جانب مبذول کرائیں اور اس کے فوائد سے انہیں آگاہ کریں۔

(بشکریہ: "تکبیر" ۲۹ اگست ۲۰۰۱ء)

اللہ امریکہ پر کب تک رحم کرے گا!

رعنا ہاشم خان

جس وقت موجودہ امریکی صدر جارج بش صدارتی انتخاب کے مرحلے طے کر رہے تھے اس وقت لاکھوں امریکی مسلمانوں کا جھکاؤ بش کی جانب ہی تھا باوجود اس کے کہ جارج بش سینئر نے مسلم دشمن پالیسی اختیار کر کے دنیا بھر میں مسلمانوں کو اور ان کے مفادات کو زبردست نقصان پہنچایا تھا۔ ان پالیسیوں پر بعد میں آنے والی قیادت نے بھی عمل پیرا رہنے کو ترجیح دی۔ لیکن چونکہ بش جونیئر کے بارے میں یہ مثبت پہلو سامنے آیا تھا کہ وہ انتہا پسندی کی حد تک یہود نواز نہیں لہٰذا نہ صرف امریکہ بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو یہ امید تھی کہ بش جونیئر نہ صرف ماضی کی اسلام دشمن پالیسیوں کو نہیں دہرائیں گے بلکہ اپنے والد بزرگوار کی زیادتیوں کا ازالہ عراق پر عائد پابندیاں ہٹا کر کر دیں

> ''سانپ کا بیٹا سنپولیا'' کے مصداق
> اس مارِ آستین نے اپنے باپ سے
> کہیں اونچا پھن لہرایا ہے

گے۔ علاوہ ازیں انہوں نے اپنی انتخابی مہم کے درمیان اس قسم کی بڑھکیں انتہائی تواتر کے ساتھ ماری تھیں کہ وہ جنوبی ایشیاء سے کشیدگی مٹانے اور اسے خوفناک جنگ کی لپیٹ میں آنے سے بچانے کے لئے کشمیر کے سنگین ترین مسئلے کے پُرامن حل پر توجہ دیں گے۔ لیکن ''سانپ کا بیٹا سنپولیا'' کے مصداق اس مارِ آستین نے اپنے باپ سے کہیں اونچا پھن لہرایا ہے۔ مسلمانوں کے اجتماعی ووٹوں سے کامیاب ہو کر ہی بش جونیئر وہائٹ ہاؤس پہنچے تھے اور آج اسی وہائٹ ہاؤس کی راہداری میں کھڑے ہو کر فی الوقت دنیا کی واحد اسلامی حکومت کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ جلد ہی طالبان حکومت کو افغانستان سے مار بھگایا جائے گا۔

دن بھر امریکی میڈیا صدر بش کے ایسے بیانات نشر کرتا ہے جن میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ جنگ اسلام، مسلم ممالک اور افغانی عوام کے خلاف نہیں بلکہ دہشت گردوں کے خلاف ہے جبکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ اسلام، جہاد اور طالبان کا مضحکہ بھی اڑاتا رہتا ہے۔ دوسری طرف افغانستان میں رات بھر بم اور دن بھر بریڈ برسائی جاتی ہے اور ابھی حال ہی میں ایسے لیف لٹ پھینکے گئے جن پر پشتو اور دری میں یہ تحریر تھا کہ ''ہم افغان عوام کے دوست ہیں''۔ نجانے یہ کہاں کی دوستی ہے! دراصل امریکہ جانتا ہے کہ ان حملوں کے نتیجے میں جیسے جیسے عام انسانوں کی ہلاکت کا دائرہ وسیع ہوگا ویسے ویسے امریکہ کے لئے نفرت میں حیرت انگیز اضافہ ہوگا اسی لئے نہ صرف یہ تمام چالیں چلی جارہی ہیں بلکہ اس بات کا وعدہ بھی کیا گیا ہے کہ افغانستان کی تعمیرِ نو امریکہ کا ذمہ ہوگی اور اس مقصد کے لیئے امریکہ نے ۳۲۰ ملین ڈالر کی رقم بھی علیحدہ کی ہے۔ دنیا پر اپنی خوشحالی اور طاقت کی دھاک بٹھائے رکھنا امریکہ کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ امریکہ یہ خواہش بھی رکھتا ہے کہ اس کی تہذیب کے مقابلے میں کوئی دوسری تہذیب سر نہ اٹھانے پائے۔ اسی لئے افغانستان میں ۱۱ ستمبر کی آڑ میں تباہی، بربادی اور خون ریزی کا خوفناک کھیل شروع کیا گیا ہے کہ اگر طالبان حکومت باقی رہ گئی تو امریکی تہذیب پر کاری ضرب پڑنے کا خطرہ نہیں ٹالا جاسکتا۔ اب یہ اور بات ہے کہ ان کی تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کر لے گی۔ لیکن جس ملک کے حکمران بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلتے ہوں اور جس کے عوام اپنے حکمرانوں کے کرتوتوں کو جان بوجھ کر نظر انداز کئے لہو ولعب میں ڈوبے رہنے ہی کو زندگی سمجھتے ہوں' اللہ ایسے ملک پر کب تک رحم کرے گا! اس کے گھر میں دیر ہے' اندھیر نہیں اور اس کے قانونِ مکافات کے آگے امریکہ کی تمام طاقت' ہتھکنڈے اور چالیں محض پانی کا بلبلہ ثابت ہوں گی...... بلکہ ایسا ہو رہا ہے۔

۱۱ ستمبر کے بعد سے اب تک امریکہ مسلسل بے سکون ہے اور اس پر قدرت کا گھیرا تنگ ہوتا جارہا ہے۔ ضروری

> امریکہ پر قدرت کا گھیرا تنگ ہو
> رہا ہے اور خوف کا آسیب اسے
> چمٹ چکا ہے

نہیں ہے کہ قدرت کوئی پہاڑ لا کر امریکہ پر دے مارے۔ وہ جب سزا دینے پر آتی ہے تو صرف سرد ہوا کے طوفان میں بھی منجمد کر سکتی ہے یا خوف و ہراس کے اس مقام تک پہنچا سکتی ہے جہاں اپنے سائے پر بھی آسیب کا گمان ہونے لگتا ہے۔ اور اس وقت خوف کا یہ آسیب امریکہ کو بری طرح چمٹ چکا ہے۔ خوف و ہراس نے لوگوں کی اکثریت کو گھروں کے اندر قید کر دیا ہے۔ ریستوران' کلب' پارک' تھیٹر اور شاپنگ مال پر ویرانی چھاتی جارہی ہے۔ شکاگو' واشنگٹن اور نیویارک جو سیاحوں کی کشش کا مرکز ہوا کرتے تھے' آج وہاں سیاحوں کی تعداد برائے نام رہ گئی ہے۔ مشہور عمارتیں تن تنہا کھڑی ہیں اور مجموعی طور پر پچھلے ڈیڑھ ماہ سے کاروبارِ زندگی ٹھپ ہو کر رہ گیا ہے۔ مُردے کی طرح دیگر کئی بڑی ایئر لائنز سنجیدگی کے ساتھ بساطِ کاروبار لپیٹنے پر غور کر رہی ہیں۔ میئرز شہریوں سے درخواست کر رہے ہیں کہ گھروں سے نکلیں، گھومیں پھریں اور امریکہ کے ۱۱ ملین ریستورانوں کو دوبارہ رونق بخشیں۔ صدر بش نے عوام سے خصوصی خطاب کے ذریعے

> قانونِ مکافات کے آگے امریکہ کی
> تمام طاقت' ہتھکنڈے اور چالیں
> محض پانی کا بلبلہ ثابت ہوں گی

درخواست کی ہے کہ امریکہ کی کھوئی ہوئی رونق بحال کریں۔ ''ہمارا دشمن چاہتا ہے کہ ہم کمزور ہو جائیں' پسپا ہو جائیں لیکن ہم کو نارمل زندگی کی طرف واپس آ کر اپنے دشمن کو یہ بتانا چاہئے کہ وہ امریکہ کو مفلوج نہیں کر سکتا لہٰذا آپ لوگ گھروں سے نکلیں' تفریح کریں' ڈزنی لینڈ جائیں۔'' جس وقت صدر بش یہ خطاب فرما رہے تھے یقیناً قدرت ان پر ہنس رہی ہوگی کیونکہ اس خطاب کے چند ہی گھنٹوں بعد امریکی میڈیا چیخ رہا تھا کہ دہشت گردوں نے دھمکی دی ہے کہ اب وہ ڈزنی لینڈ' ڈزنی ورلڈ اور بڑے بڑے شاپنگ مالز کو نشانہ بنائیں گے اور امریکی عوام اب یہ کہتے نظر آرہے ہیں کہ ایسی نازک صورتحال میں ہم بھلا کس طرح آزادانہ گھوم پھر سکتے ہیں۔

انتھراکس کے بیکٹریا نے اس خوف میں مزید چار چاند لگا دیئے ہیں۔ انتھراکس ایک بیکٹریم ہے جو ریت کے ذرے سے بھی چھوٹا ہوتا ہے اور ناک یا کھال کے ذریعے اگر جسم میں داخل ہو جائے تو اکثر اوقات موت کا باعث بن جاتا ہے۔ آجکل یہ بیکٹریم پاؤڈر کی شکل میں خاص طور سے

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

نام نہاد مسلمان حکمرانوں کا کردار ـــ قرآن کے آئینے میں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید جیسی لاریب کتاب ہدایت میں افراد کے کردار و عمل کے لحاظ سے انہیں تین گروہوں میں بانٹ کر ہر طبقے کے اوصاف اور کردار کی تفصیل کے ساتھ وضاحت فرمادی ہے تاکہ ہر طبقہ قرآن کے شفاف آئینے میں اپنی صحیح صحیح پوزیشن ملاحظہ کرسکے۔ ان تین گروہوں میں سے پہلا گروہ ''اہل تقویٰ'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ لوگ زندگی کے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنا نصب العین بنا کر پاکیزہ زندگی بسر کرتے ہیں چنانچہ قرآن ایسے ہی لوگوں کو ہدایت یافتہ اور کامیاب ترین طبقہ قرار دیتا ہے۔ قرآن مجید کی رو سے دوسرا گروہ کفار پر مشتمل ہے' جس نے ہدایت ربانی سے منہ موڑ کر خود کو عذاب الٰہی کا مستحق بنالیا ہے۔ تیسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جنہیں قرآن مجید ''منافق'' کا نام دیتا ہے۔ اگرچہ اپنے طرز عمل کی وجہ سے یہ طبقہ بھی کفار ہی کی صفوں میں شمار ہوتا ہے مگر ان کے گھناؤنے کردار کی کفار و مشرکین سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے تاکہ اللہ کے نیک اور مخلص بندے ایسے دھوکہ باز اور نام نہاد مسلمانوں سے پوری طرح آگاہ ہوسکیں۔

منافقین کے کردار کا جائزہ اس وقت یوں زیر تحریر آ رہا ہے کہ ان دنوں اسلامی دنیا کے ایک ملک افغانستان پر عالم کفر کے امام و پیشوا امریکہ نے اپنی اندھی طاقت کے زور پر جنگ مسلط کر رکھی ہے۔ افغانستان صرف اسلامی برادری ہی کا ایک فرد نہیں بلکہ اسے اپنے عوام کے مجاہدانہ کردار' طالبان حکومت اور دنیائے اسلام کے بطل جلیل اور ہیرو اسامہ بن لادن کی موجودگی کے باعث خصوصی حیثیت حاصل ہے۔ پاکستان کا آئینی نام اگرچہ اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے مگر بدقسمتی سے دنیا کے اس ملک میں حکومتی ایوانوں میں نہ تو اسلام کو پزیرائی حاصل ہوسکی اور نہ ہی جمہوریت اپنے قدم جمانے میں کامیاب ہوسکی۔ تاہم ایٹمی قوت کے حامل واحد اسلامی ملک کے بارے میں پوری ملت اسلامی نیک جذبات اور اچھی توقعات رکھتی ہے مگر ملک کا حکمران طبقہ ملک کی اصل اساس و بنیاد یعنی اسلامی نظریئے سے نہ تو دل سے مخلص ہے اور نہ ہی اس کے کردار و عمل سے ایسا کوئی اشارہ ملتا ہے۔ پاکستان کے اقتدار اعلیٰ پر بار بار شب خون مارنے والا فوجی ٹولہ اس وقت بھی ماضی کی طرح اسلام اور جمہوریت کے مشترکہ قاتل کا فریضہ ہی ادا کرنے میں پوری طرح مصروف عمل ہے۔ جنرل پرویز مشرف کا موجودہ کردار مسلمان ممالک کے اکثر حکمران طبقہ سے ملتا جلتا ہے لہٰذا اپنے کردار و عمل کے حوالے سے مسلم ممالک کے یہ حکمران ''ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے'' نظر آتے ہیں۔ یہ طبقہ اگرچہ اپنے نام اور مذہبی عقیدے کے حوالے سے خود کو مسلمانوں میں شامل سمجھتا ہے مگر اپنے کردار و عمل سے ان حکمرانوں کا ہر فیصلہ اور سوچ' اسلام اور مسلم دشمنی کا آئینہ دار نظر آتا ہے۔ پاکستان کی فوجی حکومت قومی امنگوں کی قاتل بن کر اسلام اور مسلمانوں کے کھلے دشمن امریکہ کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کا کردار ادا کر رہی ہے' اور ستم بالائے ستم یہ کہ اپنے اس ''کردار'' پر اسے فخر بھی حاصل ہے کہ جنرل پرویز مشرف خود کو دانش ور اور بصیرت کا حامل شخص بھی سمجھتے ہیں۔ مسلم عوام کی عظیم اکثریت امریکہ کو امت مسلمہ کا دشمن اور قاتل سمجھتی ہے جبکہ مسلم ممالک کے

نعیم اختر عدنان

ٹاؤٹ حکمرانوں کی طرح پرویز مشرف سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی ''امریکی عطار'' سے اپنی کم ہمتی اور بزدلی کی بیماری کے علاج کے لئے دوا لے رہا ہے مگر ہماری دانست میں مسلم حکمرانوں کو جو ''ایمان لیوا'' مرض نفاق لگ چکا ہے اب یہ ناقابل علاج ہو چکا ہے' قرآن ہی کے الفاظ میں ایسے لوگوں کا یہ مرض ان کے دلوں کے ٹکڑے کرنے ہی سے ختم ہوسکتا ہے گویا جیتے جی یہ طبقہ منافقت ہی کی غلاظت میں اپنی نشوونما اور بقاء کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا رہے گا اور بالآخر اپنے آخری انجام بد سے دوچار ہوجائے گا۔

سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے طرز عمل اور رویئے کو مختلف آیات میں واضح طور پر بے نقاب کیا ہے۔ ہم اپنی اس تحریر کے ذریعے مسلم حکمرانوں بالخصوص پرویز مشرف کے کردار کا جائزہ لیتے ہیں۔ سورۃ نساء کی تین آیات (۱۳۹' ۱۴۲ اور ۱۴۴) میں یہ جائزہ کچھ اس طرح سے سامنے آتا ہے:

''ایسے منافقین کو دردناک عذاب کی بشارت ہو' جو مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کو اپنا دوست بنائے ہوئے ہیں۔ کیا منافقین کفار کے ذریعے سربلندی حاصل کرنا چاہتے ہیں' حالانکہ عزت و سربلندی تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ہے...... منافقین خدا کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے خلاف تدبیر کر رہا ہے...... اے ایمان والو! مسلمانوں کے مقابلے میں کفار کو اپنا دوست نہ بناؤ' کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کی صریح حجت قائم کرالو۔''

ان آیات میں منافقین کی اہم نشانیاں بیان کی گئی ہیں' جن میں سے قابل ذکر علامتیں یہ ہیں:

☆ ایسے لوگ مسلمانوں کی بجائے کفار کو اپنا دوست' حمایتی اور کارساز بناتے ہیں۔ یہ لوگ مسلمان ہو کر بھی کفار کی نگاہوں میں عزت و اعتبار حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں حالانکہ عزت و شرف اور ذلت و پستی سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کردیتا ہے۔

☆ یہ لوگ یعنی منافقین خدا کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں' حالانکہ اللہ تعالیٰ خود ان کے خلاف چال چل رہا ہے۔

☆ منافقین دو کشتیوں کے سوار ہوتے ہیں۔ یہ نہ تو مکمل طور پر مسلمانوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور نہ پوری طرح کفار کے ساتھ بلکہ ایسے لوگ کفار اور مسلمانوں کے درمیان حیران و پریشان بھٹکتے رہتے ہیں۔ کبھی مسلمانوں کو اطمینان دلاتے ہیں کہ ہم آپ ہی کے ساتھی اور خیر خواہ ہیں اور کبھی کفار کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم تمہارے وفادار ہیں۔ یہ منافقین درحقیقت دو کشتیوں کے وہ سوار ہیں جن کے مقدر میں بالآخر ڈوبنا ہی ہوتا ہے۔

☆ منافقین اپنے کردار اور طرز عمل سے صرف اہل ایمان ہی کو دھوکہ نہیں دیتے بلکہ یہ لوگ اپنے خیال میں اللہ تعالیٰ کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں' حالانکہ جو شخص خدا کو دھوکہ دینا چاہتا ہے' وہ خود اپنے آپ ہی کو دھوکہ دیتا ہے۔

منافقین کا طرز عمل اور کردار قرآنی آیات کی روشنی میں واضح ہو کر سامنے آچکا ہے۔ پاکستان کی تقدیر اور تخت حکومت کے ذمہ دار جنرل پرویز مشرف اور ان کا وفادار ٹولہ اپنے کردار و عمل کو اس آئینے میں ملاحظہ کرسکتا ہے۔ مسلم ممالک کے حکمرانوں کی عظیم اکثریت نے وقت کے امام حسین اور ان کے ساتھیوں یعنی امارت اسلامی افغانستان کی ہم رکابی کی بجائے ''اہل کوفہ'' کا طرز عمل اختیار کر رکھا ہے جس کی وجہ سے آج افغانستان کی سرزمین ایک نئے کربلا کا نقشہ پیش کرتی نظر آتی ہے۔

حکیم الامت اور ترجمان القرآن نے فرما رکھا ہے:

ع کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

علم و عمل

☆ بہت بڑا گناہ یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم خود نہیں کرتے۔ (ارشاد باری تعالیٰ)

☆ علم بغیر عمل وبال ہے اور عمل بغیر علم گمراہی ہے۔ (ارشاد نبویؐ)

☆ علم عمل کو آواز دیتا ہے پس اگر وہ جواب دے تو ٹھہرتا ہے ورنہ کوچ کر جاتا ہے۔ (ارشاد نبویؐ)

کاروان خلافت منزل بہ منزل

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا دورہ پشاور

پشاور میں 28 ستمبر کو دفاع افغانستان و پاکستان کونسل کے زیر اہتمام ایک احتجاجی جلسہ اور جلوس کا اہتمام کیا گیا جس میں شرکت کے لئے کونسل کے دیگر قائدین کے ساتھ امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد کو بھی دعوت دی گئی تھی۔

حلقہ سرحد (جنوبی) کے امیر جناب میجر (ر) فتح محمد نے اس موقع پر باہمی صلاح مشورے کے بعد پشاور کی تاریخی مسجد قاسم علی خان میں امیر محترم کے خطاب جمعہ کا بندوبست کیا۔ پشاور کے ایک مقامی کثیر الاشاعت روزنامہ ''مشرق'' میں اشتہار دیا گیا اور شہر کے اہم چوراہوں پر بڑے بڑے چارٹ لگا کر اس خطاب کی تشہیر کی گئی۔ 28 ستمبر صبح تقریباً ساڑھے سات بجے اخبارات کے ذریعہ پتہ چلا کہ صوبائی انتظامیہ نے صوبہ سرحد میں امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے داخلے پر دو ماہ کے لئے پابندی کر دی ہے' جبکہ امیر محترم 27 ستمبر کی رات ہی پی آئی اے کے ذریعے پشاور پہنچ چکے تھے جس کا علم انتظامیہ کو نہیں تھا۔

تقریباً ساڑھے نو بجے تنظیم کے دفتر میں ایک پولیس انسپکٹر آیا اور امیر حلقہ کے بارے میں پوچھا۔ کچھ ہی دیر بعد ایس پی دیگر اعلیٰ افسران کے ہمراہ دفتر میں داخل ہوئے۔ اس موقع پر پولیس کی ایک بھاری نفری نے ناصر مینشن کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ایس پی نے رسمی کلمات کے بعد کہا کہ وہ امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد سے ملنا چاہتے ہیں۔ امیر حلقہ نے ملاقات کی وجہ دریافت کی تو اس نے کوئی واضح جواب نہ دیا بلکہ اپنے مطالبہ پر اصرار کیا۔ اس پر جناب میجر فتح محمد نے امیر محترم کو پیغام پہنچا دیا اور ان کے جواب کا انتظار کرنے لگے۔ کافی دیر کے بعد ایس پی نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب سے اگر رابطہ ہو تو ان سے درخواست کریں کہ وہ آج کا جمعہ پشاور میں نہ پڑھائیں بلکہ اس کے بجائے آئندہ کوئی بھی جمعہ چاہیں تو پڑھا لیں۔ پولیس کے جانے کے بعد امیر حلقہ بھی مسجد قاسم علی خان تشریف لے گئے تاکہ وہاں پر کئے گئے انتظامات کا جائزہ لے سکیں اور امیر محترم کو محفوظ راستے سے مسجد پہنچانے کا بندوبست کیا جا سکے۔ پولیس نے مسجد کے چاروں طرف سخت ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ اس موقع پر اللہ کا یہ احسان ہوا کہ امیر محترم کی گاڑی جس طرف سے آ رہی تھی' اسی خاص مقام پر بھائی وارث خان اپنی بچی کو علاج کی غرض سے ہسپتال لے جا رہے تھے۔ نئی صورتحال سن کر انہوں نے امیر محترم کو پولیس کے نرغے سے باحفاظت نکال کر مسجد کے اندر پہنچانے کی ذمہ داری سنبھال لی۔ احتیاطی تدابیر کے طور پر محترم ڈاکٹر صاحب نے قراقلی اتار کر سفید ٹوپی پہن لی' اپنی عینک اتار دی جبکہ ان کے کندھے پر محترم خلجی صاحب کی سفید چادر رکھ دی گئی۔ اس کے بعد بھائی وارث خان امیر محترم کو کچھ راستہ گاڑی اور کچھ راستہ پیدل طے کرا کے مسجد تک لے گئے اور ایک بغلی راستے کے ذریعے انہیں اندر پہنچا دیا۔ امیر محترم نے ٹھیک 12:17 پر اپنا خطاب شروع کر دیا۔

ڈاکٹر صاحب کا خطاب شروع ہوتے ہی پولیس افسران میں کھلبلی مچ گئی۔ ایس پی و دیگر پولیس افسران نے خطیب مسجد کے دفتر میں جناب میجر فتح محمد سے درخواست کی کہ ڈاکٹر صاحب کا باقی ماندہ پروگرام انہیں بتایا جائے۔ میجر فتح محمد نے پولیس افسران کو کہا کہ آپ تشریف لے جائیں کیونکہ جمعہ کی بے حرمتی ہو رہی ہے۔ امیر محترم نے ''انسانیت کے اصل دشمن'' کے موضوع پر بڑی مفصل اور مدلل تقریر کی۔ انہوں نے کہا کہ یہودی عالم انسانیت کے امن و سکون کو تہ و بالا کرنے پر تل گئے ہیں۔ ان حالات میں مسلمانوں کو اپنی صفوں میں کامل اتحاد پیدا کر کے مشترکہ طور پر مقابلہ کرنا چاہئے۔ اس موقعہ پر مسجد میں لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ نماز جمعہ کے بعد امیر محترم جلسہ گاہ تشریف لے گئے۔ دفاع افغانستان و پاکستان کونسل کے اس اجتماع سے امیر محترم کے علاوہ کونسل کے دیگر قائدین نے بھی خطاب کیا جن میں کونسل کے مرکزی چیئرمین جناب مولانا سمیع الحق' جناب حافظ حسین احمد' جناب لیاقت بلوچ' جناب امیر حمزہ اور کئی مقامی علماء شامل تھے۔ جلسہ گاہ کے باہر پولیس کی ایک بڑی نفری جدید ہتھیاروں سے لیس الرٹ کھڑی تھی۔ غیر ملکی میڈیا کے تقریباً دو درجن سے زائد افراد نے اس جلسے کی کوریج کی۔ اس موقع پر فرانس کے ٹی وی نے امیر محترم کا انٹرویو بھی کیا۔

امیر محترم کا دورۂ کراچی

امیر محترم اپنے ماہانہ دورے پر ۶ ر اکتوبر کو کراچی تشریف لائے۔ اسی شب انہوں نے گلستان انیس کلب میں ''اللہ کے محبوب بندے'' کے عنوان پر درس قرآن دیتے ہوئے کہا کہ اللہ کے محبوب بندے وہ ہیں جن سے اللہ محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔ وہ آپس میں انتہائی شفیق جبکہ کافروں کے لئے انتہائی سخت ہوتے ہیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔ امیر محترم کے درس سے قبل حلقہ کے ناظم جناب انجینئر نوید احمد نے شرکاء کو دورۂ ترجمہ کی افادیت سے آگاہ کیا اور انہیں بتایا کہ ان شاء اللہ آئندہ رمضان المبارک میں تنظیم کی جانب سے اسی مقام پر دورۂ ترجمہ قرآن کا اہتمام ہوگا۔

۷ ر اکتوبر کی صبح قرآن اکیڈمی میں ایک بھرپور اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے امیر محترم نے کہا کہ ابلیس لعین انسانوں کا ازلی و ابدی دشمن ہے اور روئے زمین پر اس کے ایجنٹ یہود ہیں۔ یہود کی تاریخ بیان کرتے ہوئے امیر محترم نے ان کی سازشوں کی تفصیلات بیان کیں اور کہا کہ امریکہ میں ۱۱ ر ستمبر کو ہونے والی دہشت گردی دراصل یہود کی کارروائی ہے تاکہ اس بہانے وہ امریکہ کو مسلمانوں کے خلاف ورغلا سکے۔ اس کی دلیل پیش کرتے ہوئے امیر محترم نے کہا کہ تفتیشی کارروائی کو منظر عام پر آنے سے روکا جا رہا ہے تاکہ ان کی سازشیں بے نقاب نہ ہو سکیں۔ اگر اسامہ بن لادن واقعتاً اس دہشت گردی میں ملوث ہوتا تو امریکہ تفتیشی کارروائی کی بھرپور تشہیر کرتا۔ انہوں نے اندیشہ ظاہر کیا کہ احادیث میں مذکور عظیم جنگوں کا آغاز ہونے والا ہے جس میں مسلمانوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑے گا تاہم آخری فتح انہی کی ہوگی اور نظام خلافت راشدہ کا قیام عالمی سطح پر ہوگا۔ اسی دن بعد نماز عصر رفقاء کے ساتھ خصوصی نشست میں امیر محترم نے رفقاء کے سوالوں کے جوابات دیئے۔ اس سے قبل جناب انجینئر نوید احمد اور حلقہ کے امیر جناب محمد نسیم الدین نے مرکزی مجلس مشاورت اور مجلس عاملہ کے حالیہ اجلاس میں ہونے والے فیصلوں سے رفقاء کو آگاہ کیا۔ (رپورٹ: محمد سمیع)

تنظیم اسلامی راولپنڈی (شرقی) کے دعوتی پروگرام

تنظیم اسلامی راولپنڈی (شرقی) کے امیر نے فیصل کالونی میں ایک نئے اُسرہ کے قیام کی منظوری دے دی اور یوں اس حلقے کا سب سے بڑا اُسرہ وجود میں آ گیا۔ نئے اُسرہ میں جناب عبدالغفور کو نقیب جب کہ راقم کو نائب نقیب مقرر کیا گیا ہے۔

اُسرہ فیصل کالونی کے پہلے دعوتی پروگرام میں ڈاکٹر عمر صاحب نے درس قرآن دیا' جس میں قرآن مجید کے احکام کی روشنی میں مسلمانوں کو جھنجھوڑا گیا اور تازہ ترین صورت حال کی طرف توجہ دلاتے ہوئے انہیں قرآن سے اپنے تعلق کی تجدید کرنے کی تلقین کی گئی۔ اس پروگرام میں راولپنڈی (شرقی) کے اکثر رفقاء نے شرکت کی جبکہ گردونواح کے سو سے زائد احباب بھی ذوق وشوق سے شریک ہوئے۔

فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ سے رفقاء عصر کے بعد پروگرام میں آ کر نصاب کی کتب پڑھیں گے۔ سب سے پہلے ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' کا مطالعہ کیا جائے گا اور اس کے بعد ''فرائض دینی کا جامع تصور'' کو پڑھا جائے گا۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ اُسرہ میں دو تربیتی پروگرام اور ایک دعوتی پروگرام ہوا کریں گے۔ تمام رفقاء ان پروگراموں کی کامیابی کے لئے کوشش کریں اور مرکزی دفتر میں ہونے والے پروگراموں میں بھی بھرپور شرکت کریں۔ مرکزی دفتر میں تربیتی پروگرام ہر ماہ کی آخری جمعرات کو بعد نماز مغرب ہوتا ہے۔ یہ پروگرام رفقاء کی تربیت

کے لئے بہت موثر ہے۔ اُسرہ فیصل کالونی کے تمام پروگرام ان شاءاللہ جناب عبدالغفور کی رہائش گاہ پر ہوا کریں گے۔ اسی اُسرہ کے زیر اہتمام ہر ماہ کے تیسرے جمعہ کو بعد نماز مغرب منگرال ماڈل ٹاؤن' راولپنڈی میں منتخب نصاب کا درس ہوتا ہے۔ جس میں محترم شمیم صاحب اپنے منفرد انداز میں دین کے مختلف گوشوں کی وضاحت کرتے ہیں۔ (رپورٹ: محمد نصیر کیانی)

تنظیم اسلامی کراچی شرقی (۲) کا خصوصی دعوتی پروگرام

راقم نے اسرہ شاہ فیصل کالونی کے نقیب کی حیثیت سے ایک خصوصی دعوتی پروجیکٹ شروع کیا جس کا مقصد درس قرآن کا ایک حلقہ قائم کرنا تھا تاکہ علاقے کے لوگ قرآن کی طرف رجوع ہوں اور انہیں اس حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو۔ اس سلسلے میں مختلف دعوتی لٹریچر ایک خط کے ہمراہ تقریباً ڈھائی سو گھروں تک پہنچایا گیا۔

i) پہلے خط کے ساتھ ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' ''عظمت قرآن'' اور حضرت الیاسؒ کا کتابچہ ''امت کی پستی کے اسباب''۔

ii) دوسرے خط کے ہمراہ ''راہ نجات''۔

iii) تیسرے خط کے ہمراہ ''نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں''۔

iv) چوتھے خط کے ہمراہ ''دینی فرائض کا جامع تصور'' اور ''خواتین کی دینی ذمہ داریاں''۔

v) پانچویں خط کے ہمراہ ایک معروضی سوالنامہ (جو ان کتابوں اور آج کے حالات سے متعلق تھا) اور ''قرآن کی فریاد''۔

اس دعوتی پروجیکٹ میں تقریباً ڈیڑھ ماہ کا عرصہ لگا جس میں اسرہ کے رفقاء کے علاوہ ملحق تنظیم شرقی (۱) کے رفقاء و احباب نے بھی نصرت فرمائی۔ اس کے لئے تمام تر فنڈ اسرہ کے رفقاء نے اپنے طور پر جمع کیا۔

الحمد للہ گزشتہ اتوار سے درس قرآن کا آغاز ہو چکا ہے اور پہلے پروگرام میں ۳۵ مرد اور ۲۵ خواتین نے شرکت کی۔ مدرس کے فرائض راقم ہی نے انجام دیئے۔ اللہ تعالیٰ ہماری محنتوں کو قبول فرمائے! (رپورٹ: راشد یار خان)

تنظیم اسلامی لاہور (کینٹ) کا دعوتی اجتماع

۲۹ ستمبر کو تنظیم اسلامی لاہور کینٹ میں اسرہ بینک سٹاپ کے زیر اہتمام ایک دعوتی نشست منعقد ہوئی۔ پروگرام کا آغاز نماز مغرب کے بعد تلاوت قرآن پاک سے ہوا' جس کے بعد جناب ابو معاذ نے ''مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ'' کے موضوع پر مختصر اور جامع خطاب فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اور لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر کے دراصل ہر مسلمان اس نظام حیات کو قبول کرتا ہے۔ بعد ازاں جناب اشرف وصی نے افغانستان کے حوالے سے موجودہ عالمی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ نیویارک میں حملوں کے پیچھے ایک طویل اور منظم منصوبہ بندی موجود ہے اور ان واقعات کا رخ باقاعدہ یہودی سازش کے تحت مسلمانوں خصوصاً افغانستان کی طرف موڑا گیا ہے۔ لہٰذا ہمیں کفر کے سامنے جھکنے یا ڈرنے کی بجائے ڈٹ کر ان کے مقابلہ کے لئے تیار ہونا چاہئے۔ پروگرام کا اختتام تنظیم اسلامی لاہور کینٹ کے ناظم جناب فتح محمد قریشی کی خصوصی دعا پر ہوا۔ اس پروگرام میں ۵۰ رفقاء و احباب نے شرکت کی۔

حلقہ پنجاب (شمالی) اور حلقہ سرحد کا مشترکہ علاقائی اجتماع

صوبہ سرحد میں امیر تنظیم اسلامی کے داخلہ پر پابندی کے باعث حلقہ پنجاب (شمالی) و حلقہ سرحد کا مشترکہ علاقائی اجتماع ۷ا اکتوبر کو راولپنڈی پریس کلب کے ہال میں منعقد ہوا جس میں رفقاء کی کثیر تعداد کے علاوہ اخباری نمائندوں اور عوام الناس نے بھی شرکت کی۔

صبح ۱۰ بجے اس اجتماع کی کارروائی کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ بعد میں ''موجودہ عالمی بحران کا تاریخی پس منظر اور نوع انسانی کے اصل دشمن کون؟'' کے موضوع پر امیر محترم کی ویڈیو کیسٹ دکھائی گئی جو ساڑھے بارہ بجے تک جاری رہی۔ ساڑھے بارہ بجے امیر محترم تشریف لائے تو انہوں نے اپنی پریس کانفرنس میں اسی موضوع پر مزید روشنی ڈالی۔ پھر اخباری نمائندوں کے سوالات کے جوابات دیئے اور یوں یہ پریس کانفرنس ڈیڑھ بجے اختتام پذیر ہوئی۔ بعد ازاں ڈھائی بجے سے چار بجے تک امیر محترم کی رفقاء سے خصوصی مجلس ہوئی جس میں رفقاء کی طرف سے موجودہ حالات کے حوالے سے مختلف سوالات کئے گئے۔ اس طرح چار بجے یہ اجتماع ختم ہوا۔

(رپورٹ: محمد طفیل گوندل)

انتقال پُر ملال

☆ تنظیم اسلامی کراچی (وسطی ۲) کے رفیق جناب عبداللطیف کھوکھر تقریباً پانچ ماہ تک بلڈ کینسر کے عارضہ میں مبتلا رہنے کے بعد خالق حقیقی سے جا ملے ہیں۔ تمام قارئین سے ان کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

تنظیمی اطلاعات

☆ ضلع بہاولپور کو حلقہ پنجاب (جنوبی) سے علیحدہ کر کے حلقہ بہاول نگر میں شامل کر دیا گیا ہے۔ جناب منیر احمد اس حلقے کے امیر کی حیثیت سے اپنے فرائض حسب سابق ادا کرتے رہیں گے۔

یاد رفتگاں

محمد سمیع' کراچی

ملنے کے نہیں' نایاب ہیں ہم

ہم دونوں ایک دوسرے کو پیر صاحب کہا کرتے تھے۔ ہم جب بھی ملتے یا فون پر گفتگو ہوتی تو ہم دونوں میں سے ہر ایک کی یہ کوشش ہوتی کہ فوری طور پر کہے: ''پیر صاحب کیا حال ہے؟'' اپنا تو حال یہ ہے کہ عاملہ کے اجلاس میں اگر کبھی بولنے کی ضرورت پیش آ جائے تو یہ آواز کسی نہ کسی گوشے سے ابھرتی ہے: ''سمیع صاحب! ذرا اونچی آواز میں بات کریں''۔ لیکن مرحوم عبداللطیف کھوکھر کی آواز تو زندگی سے بھرپور ہوتی تھی۔ افسوس کہ میرے پیر صاحب کی یہ ادا پیر کو راس نہ آئی۔ کسی کے یہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ تنظیم کے اندرونی اجتماعات اور بیرونی مظاہروں میں سب سے زیادہ سرگرم دکھائی دینے والے ہمارے اس ساتھی نے اتنا بڑا روگ پال رکھا ہے۔ بلڈ کینسر کے مرض سے وہ صرف پانچ ماہ ہی کشمکش کر سکے۔ افسوس کہ ہم غالب کی طرح یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ

ع کیا تیرا بگڑتا جو کہ مرتا کوئی دن اور

ہم تو یہ جانتے ہیں کہ غالب ہی کے الفاظ میں ع ''موت کا ایک دن معین ہے'' اور ہمیں ہر حال میں راضی برضائے الٰہی رہنا ہے۔ ٹھیک ہے کہ دنیا رین بسیرا ہے۔ مسافر اس رین بسیرے میں آتے ہیں اور پھر آگے سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان مسافروں میں کوئی کوئی ایسا ہوتا ہے جس کی جدائی کو لوگ دل سے محسوس کرتے ہیں۔ ہمارے بھائی عبداللطیف بھی ایسے ہی مسافروں میں سے تھے۔ ع ''جانے والے تجھے روئے گا زمانہ برسوں''

پیر صاحب! میں تو کیا' دنیا کی کوئی طاقت آپ کو اگلی منزل کی جانب کوچ کرنے سے روک تو نہیں سکتی تھی۔ کس کی مجال ہے کہ قرآن کریم کے اس چیلنج کو قبول کرے: ﴿فَلَوْ لَا اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ تَرْجِعُوْنَهَا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ البتہ میری صمیم قلب سے یہی دعا ہے کہ جب منکر نکیر آپ سے سوال کریں تو آپ اسی زندگی سے بھرپور لہجے میں کہیں کہ مجھ سے میرے رب کے بارے میں سوال کرتے ہو جس کے دین کی سربلندی کی جدوجہد میں خود بھی حسب استطاعت لگا رہا ہوں اور اپنے پیچھے اپنی اولاد کو بھی اسی کام پر لگا آیا ہوں۔ خود بھی اپنے نبی ﷺ کی سنت پر عمل کرتا رہا ہوں اور اپنے اہل خانہ کو بھی اسی راہ پر گامزن چھوڑا ہے۔ یہ سب خالصتاً میرے رب کا فضل اور میرے نبی ﷺ کی رحمت کے طفیل ہی ممکن ہوا۔ پیر صاحب! ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو برزخ کی منزل میں کامیابی سے ہمکنار کرے اور اخروی زندگی میں بھی شادمان و شادکام کرے۔ آمین!

America in viewing Islam as a threat to them under the draconian banner of "fundamentalism."

The third weapon is the international law, and its tools represented by the UN, its charter and its other sub-organizations which the US employs to implement its sinister designs.

The fourth weapon is the world media dominated by the US and its allies, which is used as one of the most deadly weapons in its campaign. The media is used to distort the image of Islam and to incite the world against those who adhere to it, portraying them as fundamentalists, zealots, extremists and terrorists.

The fifth, the ugliest and most dangerous of these weapons are the agent rulers and the circle around them of underlings, hypocrites, opportunists and those lured by the liberal culture and fascinated by its way of life. All of these are paid or blessed by the US government one way or the other. This circle also includes those who pretend to care about Islam whether they are government scholars or those presented to the people as Islamic intellectuals from some Islamic movements who are in reality nothing more than secularists, calling for the detachment of religion from life.

The CIA, as the arm of the U.S. government most concerned with fighting the US wars, focuses on Islam in the period* immediately following the Post-Gulf War. To counter the appeal of Islam and the growth of Islamic movements, the CIA has devised a two-tier program. On the one hand, certain Muslim authors are promoted as part of an explicitly "anti-Islam program." The CIA cultural commissar's criteria for "suitable texts" include whatever critiques of "Islamic fundamentalism" and role of religion in running predominantly Muslim dominated countries, the CIA finds to be objective and convincingly written and timely.

On the other hand, the CIA is especially keen on promoting liberal politicians and protecting disillusioned Muslim leaders. The present funding of the secularists and westernised human rights activists reminds on of the CLA, which promoted anticommunist writers by funding lavish conferences in Paris, Berlin, and Bellagio (overlooking Lake Como), where objective social scientists and philosophers like Isaiah Berlin, Daniel Bell, and Ćzeslow Milosz preached their values (and the virtues of Western freedom and intellectual independence, within the anticommunist and pro-Washington parameters defined by their CIA paymasters).

The singular lasting, damaging influence of the CIA's buying our leaders and intellectuals is not their specific defences of US imperialist policies, but their success in imposing on subsequent generations the idea of excluding any sustained discussion of US involvement in our internal affairs through sheer terror and injustice. The issue is not that today's intellectuals or leaders may or may not take an Islamic position on this or that issue. The problem is the pervasive belief among writers and leaders that anti-US expressions should not appear in their speech and writing if they want to be successful in their careers. The enduring political victory of the CIA through buying out our leaders and influencing our policies without any hurdle is to convince the rest of us that serious and sustained political, economic and social development is incompatible with our religious beliefs and practices.

KHALID TRADERS

NATIONAL DISTRIBUTORS NTN BEARINGS

IMPORTERS - INDENTORS - STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER - SMALL TO SUPER - LARGE

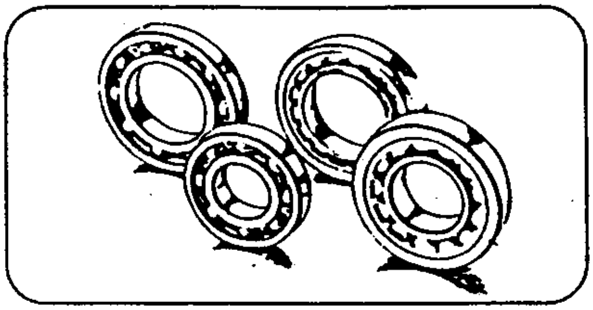

PLEASE CONTACT

Opp K.M.C. Workshop, Nishtar Road, Karachi-74200, Pakistan.
G.P.O. Box # 1178 Phones : 7732952 - 7730595 Fax : 7734776 - 7735883
E-mail : ktntn@poboxes.com

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : SIND BEARING AGENCY, 64 A-65 Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400(Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : 5 - Shahsawar Market, Rehaman Gali No. 4, 53-Nishtar Road, Lahore-54000, Pakistan. Phones 7639618,7639718,7639818, Fax: (42) : 763-9918

GUJRANWALA: 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

بقیہ: مکتوب شکاگو

امریکی میڈیا سے متعلق افراد اور دفاتر میں ڈاک کے لفافوں کے ذریعے نامعلوم ذرائع کی جانب سے بھیجا جا رہا ہے۔ نہ ف امریکہ بلکہ یورپ اور آسٹریلیا میں بھی انتھراکس کئی افراد کو ہسپتال بھیج چکا ہے۔ بیشتر ملازمین چھٹی لے کر روں میں بیٹھ چکے ہیں۔ امریکہ میں میڈیا سے متعلق ۱۱۲ فراد اور سینٹ کے ایک رکن پر اس بیکٹریم کا حملہ ہو چکا ہے جبکہ ایک شخص کی موت بھی واقع ہو چکی ہے۔ امریکی سرجن جنرل کا کہنا ہے کہ یہ طاعون کی طرح بھی پھیل سکتا ہے۔ امریکی حکومت اور میڈیا نے اس بیکٹریم کو دہشت گردی قرار دیا ہے لیکن ۱۱ستمبر کے واقعے سے تا حال اس کو منسلک نہیں کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ شیطان کی عمر اور فاسق کی رسی دراز ہوا کرتی ہے لیکن جب قدرت یہ رسی کھینچتی ہے تو منہ کے بل گرنے کے باعث چوٹ بھی بڑی دھانسو قسم کی لگا کرتی ہے۔ ہمیں ان مشرکوں، فاسقوں کی بے حسی پر نہیں بلکہ ان ۱.۲ بلین مسلمانوں کے رہنماؤں پر حیرت ہے جنہیں اگر افغانستان کی سرزمین پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی جارحانہ کارروائیوں کے نتیجے میں گرتی بے گناہ لاشیں اثر انداز نہیں کر رہیں تو کیا وہ امریکہ پر اللہ کی گرفت بھی نہیں دیکھ پا رہے یا جان بوجھ کر اس عذاب کو اپنے گھر کا راستہ دکھا رہے ہیں!

Your hypocrisy is exposed. No amount of propaganda can hide your true intentions. Don't we see how your patience ran out with the Taliban in one month and with Saddam Hussein in just a few months? But you don't consider giving such an ultimatum to Israel to end its occupation, aggression and human rights violations. You can rain down death and destruction on the Taliban for their harbouring "suspected" terrorist, but you cannot do it to Israel for being ruled by an proven terrorist, for whose indictment more than 1.2 million people from around the world have signed a petition. The Taliban have been blamed for authoritarianism. The Taliban were ruling with nothing but Divine Law. They declared Quran their constitution and surely they knew and understood Quran, at least, better than Bush and Blair do. And it is of course authoritarian in a sense that it is derived from God's authority. And who questions God's authority? In practical sense, even the law or rules once adapted by a "democracy," require forced compliance by the individual and society for the functioning of an orderly system. Why then question submission to God's Divine authority?

Is the US government authoritarian, which has assembled the largest regulatory workforce ever in the world history? Rule making agencies in the US employ 130,929 people. Citizens are forced to hand over addition taxes of $ 15.6 billion to support this force, also an all time record. However, the total cost of obeying federal regulations rose from $476 billion in 1985 to $607 billion in 1995. Bill Clinton used to boast that he has wiped away 16,000 pages of bad rules since taking office. That's true. But his minions have more than filled the void. The Federal Register has grown from roughly 41,000 pages a decade ago to more than 69,000 pages in 1994. American rulers must be thankful for not being Muslims, otherwise they would have been declared as some worst kind of authoritarians, for keeping a record 5.1 million Americans either behind the bars, or probation, or parole, who violated their man-made regulations.

If your war is against terrorism, you can win simply it with eliminating its root causes that lie in your unjust foreign policies. You can't win it with attacks on hospitals, homes, passenger buses, food storage, ICRC building, refugee convoys, UN Mine clearing office and other civilian installations. If your war is to eradicate anti-westernism and anti-Americans from our hearts, you can do it with just leaving us alone. However, if your war is to impose your will, your values and your brand of the world order, it will only increase the backlash from Islamic forces in a variety of forms, including militancy, which will not only destroy Muslim societies, but the Westerners, too, will not be able to live with peace. You, being the masters of your plans, must take the initiative and change your policies. If a genuine reconciliation and mutual co-existence is desired only policies of acknowledgment and recognition would work - not the sinister plans for repression and eradication. For mutual trust and respect; a conscious, focused, serious, multidimensional and global effort is required. Force is not the answer.

Yes, it's a war on Islam

Its hard to believe for many among us, but the fact is that the US is more than half way through its war on Islam. The stage has long been set for the Mossad and its lackeys in the CIA to use Pakistani leadership, military intelligence and their "expertise" and the intermediaries to do anything in Pakistan from abducting Osama bin Laden to robbing Pakistan of its nuclear capability and also do anything through Pakistan, from dismantling the Taliban government to abandoning the cause of Kashmir.

The reason behind the renewed American interest in Pakistan is not to combat the so-called terrorism but to target Islam.

Undoubtedly, Pervez Musharraf has taken all the decisions in the best interest of the state, but the secret and open demands would never stop until we fully surrender our souls, our faith and ourselves. It is a campaign against Islamic world. Apart from other undeniable evidence, consider the following fact to fully understand the argument that contrary to all the claims of American leadership, this is a war on Islam. According to well placed sources, in the Fall of 1993 at the initiative of . Clinton-Gore government, a secret conference of anti-Islam forces was called in Washington, D.C. area to develop a long-term strategy of defeating Islamic resurgence worldwide. It lasted for three days and many papers were presented.

Naturally, no serious Muslim was represented in the conference. The main resolution was to fight Islam the way West fought communism and defeat Islam even if it took 70-80 years. At least one of the resolutions was to remove "fundamentalist Islam" from the West and fight Islam in the Muslim majority countries. Islamic movements like those of Tanzeem-e-Islami,, Jamaat-e-Islami, Ikhwan al-Muslimoon and similar movements are their main targets. All the recent development are simply directed to bring this war from Washington to the real front, to the doorsteps of Muslim countries.

The American methodology against movement orientated organizations is infiltration, spreading rumors, sowing dissensions within the organization leadership, and now outright ban on religious parties that refuse to tread the line set forth as acceptable to Washington. From outside, spreading rumors to make leadership or the organization itself unpopular would remain part of the wider strategies. If nothing works, outright murder is their ultimate weapon.

In its campaign against the Islamic world, the US depends on a number of weapons. The first weapon is its international weight and influence in the Islamic world, particularly after the second Gulf War policy, which resulted in further consolidation of its influence. The second weapon is it's ensuring others' participation in the campaign against Islam. The US uses their influence and their agents to guarantee the success in the whole Islamic world particularly as these states do not differ from

View Point

Abid Ullah Jan
(E-mail: abidjan2@psh.paknet.com.pk)

A Cry of the Muslim Soul

President Bush, Prime Minister Tony Blair and Western allies! We may believe you for a moment when we hear, "this is not a war on Islam." However, you know in the heart of your hearts and we know from a thousand other leads that all your efforts are directed at nothing less than extirpating any resistance offered to your version of the world order by Islam. Whether you call it "political Islam," "fundamentalism," or "terrorism," at the end your joint struggle boils down to elimination of Islam as an alternative to the systems and values you intend to impose. The first and foremost submission in this regard is that whether or not you declare it a war on Islam, you will never - never -- be able to defeat Islam because Islam is not an "ism"; it is not a geographic entity, a military force, an ephemeral ideology or a movement that temporarily resurfaces and could be oppressed with the force that you are so proud of. Islam is a true religion - a faith with its unbeatable power in the hearts and minds of those who truly believe in it.

There is no denying the fact that since the demise of Soviet Union, the Western media is creating a negative perception and attitude towards Islam with full force. It regards Islam as an enemy to the Western society and institutions. However, the difference between your struggle against communism and Islam is evident from your statements that this is not a war on Islam. It is not that you do not consider it as such, but simply because you cannot afford such a war. The failure of your secret meetings to defeat and de-sting Islam begins as soon as you come out in public and claim that this is not a war on Islam. Your covert actions to destabilize and remove governments established in the name of Islam on the one hand and your support to puppets regimes for rooting out religious institutions and parties on the other, fail all your efforts to conceal your original motives and convince the general public that you are not against Islam.

The weapons at your disposal in your war on Islam are: hypocrisy, propaganda, military might, economic power and social and political instability. Your propaganda machinery sustains your hypocrisy but it has been more than a decade that you try to present a world view of Islam by giving references to the government of the Taliban, poverty and backwardness in Sudan and the massacres in Algeria to show strict adherence to Islam as violent, fanatical and intolerant. With the growing awareness, the misinformation is gradually losing war. It is worthy to note that out of fifty-one Islamic countries around the world, these selective references are to project that it is Islam that is "violent, fanatical and intolerant." There is no mention of Islamic states living in peace. And the violence ratio of 3:51 or 4:51 in the Islamic world pales in comparison with the non-Muslim countries, where no one holds religion or the twisted liberalism and secularism -- responsible for that.

The way Mr. Blair attributes poverty and civil war in Afghanistan to the Taliban rule is yet another illusive but derogatory effort to show, as if poverty, human rights violations and civil war has something to do with Islam. Irrespective of the past 22 years of the Afghan history and the inhuman UN sanctions against Afghanistan, if we look around the world, we will find that poverty, corruption and civil war is not confined to Muslim communities alone. Besides many Western commentators, it was Roger Hardy of BBC who reported in his 1996 series, "Islam: Faith and Power," that "in the midst of such bewildering variety, there is a common threat - a new assertion of Muslim identity and consciousness." This is the threat you are struggling against, not to defeat poverty and safe guard human rights.

As far your military might, you can never win hearts with your force. You defeated the Soviet Union by putting guns on the shoulders of Mujahideen, who were as much terrorists for the Soviet Union as much as Kashmiris are for the India and Osama is for the US. Even in Afghanistan, you cannot defeat the Taliban on your own unless you use other Muslims against them. You cannot suppress the general public in Egypt, Turkey, Pakistan and elsewhere as long as you do not use Muslim armies and Muslim dictators for this purpose. All these tricks have outlived their utility. After all, for how long can you repress close to 1.5 billion people with the help of a few dictators. Just like the Israel's military might, you would fail to rule us with the strength of your military supremacy. How many countries would you afford to invade like Afghanistan or blocked like Iraq.

Iraq has lived for eleven years under your sanctions and lost thousands and upon thousands of innocent lives. Afghanistan quietly went through your sanctions until your patience ran out - not theirs. So would be the case with rest of the Muslim countries. You cannot bomb them all into submission. You cannot embargo them all. You cannot make dictatorship rule them forever to come. As far the aspect of your cultural imperialism is concerned, your war on Islam is bound to failure because you try to impose the Western value system in the Muslim societies. Doesn't hypocrisy seem too mild a word to be used for this kind of attitude towards Muslim societies? If child abuse rates in the US have soared by 331% since 1976; if 60% of the rapists, 72% of adolescent murderers and 70% of long-term prisoners come from the fatherless homes -- products of Western liberalism; if there is one divorce for every one marriage; and if more than 200,000 women are annually assaulted by boyfriends, with whom they are involved in illegitimate relations, why then is the US bent upon exporting and imposing the same rotten culture on other societies, which are free from these social ailments at present? Your efforts are doomed to failure because such nonsense doesn't make any sense to a sensible person?

Your h
amour
yo

NIDA-I-KHILA

پریس ریلیز

☆ ''او آئی سی'' یا اوہ آئی سی (oh, I See)

☆ صدر مشرف حالیہ صورتِ حال سے متعلق گارنٹیاں دینے کی بجائے اپنی غلط حکمتِ عملی کے ازالہ کی کوشش کریں

ہفتہ رفتہ کے دوران امیر تنظیم اسلامی وداعیٔ تحریک خلافت کی طرف سے جاری کردہ اخباری بیانات

لاہور (11/اکتوبر 2001ء) امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے اسلامی کانفرنس تنظیم کے حالیہ اجلاس میں ہونے والے اختلافات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ بات اب کھل کر سامنے آچکی ہے کہ مسلم ممالک کے حکمرانوں اور ان کے عوام کی راہیں ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں کیونکہ دونوں کی سوچ' ان کے مفادات اور طرزِ عمل میں زمین و آسمان کا فرق دیکھنے میں آرہا ہے جسے موجودہ حالات میں کسی طور بھی خوش آئند قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ صورت حال اصلاً سامراجی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کا ہی نتیجہ ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ بات صرف مسلم ممالک تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ خود مغربی ممالک میں بھی حکمرانوں اور عوام کے درمیان خاصی تفریق موجود ہے تو بے جا نہ ہوگا' یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے ترقی پذیر ممالک کے عوام کا خون چوس چوس کر اپنے عوام کو مطمئن کرنے کا اہتمام کر رکھا ہے جس کی وجہ سے وہاں اس طرح کی بے چینی دیکھنے میں نہیں آتی۔ انہوں نے کہا واقعہ یہ ہے کہ اس وقت دنیا بھر کے حکمران دانستہ' نادانستہ اور بالواسطہ یا بلاواسطہ اسرائیلیوں کے آلۂ کار ہیں لیکن مسلمانانِ عالم کا معاملہ تو فی الفور زندگی اور موت کا بن گیا ہے۔ لہٰذا اس تناظر میں دنیا بھر کے مسلمان' خصوصاً ہم مسلمانانِ پاکستان اب بیدار ہوں اور اپنی دنیا و آخرت تباہ ہونے سے بچائیں' جس کا اولین تقاضا یہ ہے کہ پرامن مظاہروں کے ذریعے اپنے حکمرانوں کو اسلام کے مطابق عمل کرنے پر مجبور کریں۔

☆☆☆

لاہور (23 اکتوبر 2001ء) امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کے اس دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے اسے خلاف واقعہ قرار دیا کہ عوام کی بہت بڑی اکثریت طالبان کے خلاف امریکہ کا ساتھ دینے کے حکومتی فیصلہ کی حمایت کرتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مفاد پرست عناصر اور مادہ پرستانہ سوچ رکھنے والوں کے سوا کوئی بھی باحمیت مسلمان ان کے اس فیصلہ کی تائید نہیں کر سکتا جو امریکہ کی دھمکی کے نتیجہ میں کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اقلیت یا اکثریت سے قطع نظر اصل بات حق و انصاف اور انسانی ضمیر کی ہے' امریکہ نے چونکہ طاقت کے نشہ میں ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا ہے اور دھمکی اور دھونس کے ذریعے ہماری حکومت کو ساتھ دینے پر مجبور کیا ہے لہٰذا پاکستان کے غیور عوام کبھی امریکہ کے آگے سر جھکانے پر راضی نہیں ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ عوام کی اکثریت ابتداء میں ہمیشہ خاموش تماشائی ہوتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب لینا ہرگز درست نہیں ہے کہ وہ حکومتی فیصلے سے متفق بھی ہوں۔ وقت آنے پر یہ لوگ کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ امیر تنظیم نے کہا کہ طالبان کا جرم اس کے سوا اور کیا ہے کہ انہوں نے دین و شریعت کے نفاذ کو ہر خیر پر مقدم پر رکھا ہے اور امریکی دھونس کے آگے سر جھکانے سے انکار کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ اور برطانیہ جیسی بدقماش حکومتوں کے پاس قطعاً اس کا کوئی جواز نہیں ہے کہ وہ ہر طرح کے وسائل سے محروم ایک کمزور اور مسلسل دو دہائیوں سے بیرونی سازشوں اور حملوں کے شکار ملک کو مزید وحشیانہ بربریت کا نشانہ بنائیں اور اسے راکھ کا ڈھیر بنانے پر تل جائیں' نہ ہی کوئی مسلمان ایسا سنگ دل اور بے حس ہو سکتا ہے جو بے گناہ مسلمان عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کے قتل عام پر تادیر خاموش رہ سکے۔ ڈاکٹر صاحب نے جنرل پرویز مشرف صاحب سے اپیل کرتے ہوئے کہا کہ انہیں مستقبل کے بارے میں بے معنی گارنٹیاں پیش کرنے کی بجائے اصل مسئلے پر توجہ دینی چاہئے اور قومی سطح پر جو غلط حکمت عملی اختیار کی گئی ہے اس کے ازالہ کی کوشش کرنی چاہئے۔

قلم برداشتہ

تحریر: وسیم احمد

......ہم کیوں کریں!

ایک ارب پتی سے کسی خیراتی ادارے کا رضا کار چندہ مانگنے گیا۔ رضا کار پوری تیاری کے ساتھ گیا تھا۔ ارب پتی سے کہنے لگا'' جناب ہماری اطلاع کے مطابق فلاں بینک میں آپ کے پاس اتنے کروڑ اور فلاں بینک میں اتنے ارب جمع ہیں۔ فلاں علاقے میں اتنی زمین اور فلاں شہر میں اتنی عمارتیں ہیں۔ بے شمار کارخانوں میں آپ حصے دار ہیں۔ مگر آپ نے کسی خیراتی ادارے کو کبھی کچھ نہیں دیا۔'' ارب پتی نے بڑے تحمل سے ساری بات سنی اور پھر رضا کار سے کہنے لگا'' تمہاری معلومات مکمل طور پر درست ہیں۔ مگر کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ میری ماں فلاں شہر میں اکیلی رہتی ہے اور اس کا کوئی ذریعہ آمدن نہیں؟'' رضا کار بولا'' نہیں جناب' مجھے علم نہیں۔'' ارب پتی نے کہا'' تمہیں پتہ ہے کہ میری بہن اپنے چھ بچوں کے ساتھ بیوگی کے دن گزار رہی ہے اور اس کا کمانے والا کوئی نہیں؟'' رضا کار بولا'' جناب میں بہت شرمسار ہوں۔ مجھے پتہ ہوتا کہ آپ پہلے ہی اتنے لوگوں کو پال رہے ہیں تو میں قطعاً آپ کے پاس نہ آتا۔'' ارب پتی گرج کر بولا'' یہ بات نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر میں اپنے ان غریب رشتہ داروں کو کچھ نہیں دیتا تو تمہیں کیوں دوں!''

لگتا ہے کہ ہمارے سابقہ حکمران اس ارب پتی تاجر کے قول پر پوری طرح عمل پیرا رہے ہیں اور موجودہ حکمران تو اس قول سے ذرہ برابر بھی انحراف نہیں کرنا چاہئے۔ ان کے خیال میں:

☆ اگر کسی سابقہ حکمران نے امریکہ کے خلاف آواز نہیں اٹھائی...... تو ہم کیوں اٹھائیں؟

☆ اگر کسی اسلام پسند حاکم نے ملک میں نفاذ اسلام کی کوشش نہیں کی...... تو ہم کیوں کریں؟

☆ اگر کسی جمہوریت کی ٹھیکیدار حکومت نے دینی جماعتوں کی بات نہیں مانی...... تو ہم کیوں مانیں؟

☆ اگر کسی بھاری مینڈیٹ لینے والی حکومت نے عوامی جذبات کا خیال نہیں رکھا...... تو ہم کیوں رکھیں؟

لیکن وہ یہ نہیں سوچتے اگر یہ روش جاری رکھی گئی تو تاریخ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔ اور ان کے جانے کے بعد سابقہ حکمرانوں کی طرح عوام میں کوئی بھی انہیں اچھے الفاظ سے یاد نہیں کرے گا۔